34

لاہور
ندائے خلافت
www.tanzeem.org

ہفت روزہ

22 تا 28 رمضان المبارک 1432ھ / 23 تا 29 اگست 2011ء

اس شمارے میں

میاں محمد نواز شریف کے نام!

اتحاد کی بنیاد: کتاب اللہ

بنی اسرائیل پر عذاب الٰہی کے کوڑے

رمضان، قرآن اور پاکستان

ماہِ رمضان اور اُس کا آخری عشرہ

”تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟“

صدقۂ فطر: احکام و فضائل

تصادم کے آخری مرحلہ مسلح کشمکش کا نقطۂ آغاز غزوۂ بدر

ابہام اور انتشار پھیلانے والے

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

......پھر بھی توبہ نہیں کرتے!

رمضان کے مبارک ایام میں اپنے ایمانی و اخلاقی معیار کو بلند کرنے اور تمام دینی امور پر بھرپور توجہ کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے ضروری ہے کہ اپنے زوال کے مسئلہ پر غور و فکر کریں۔ انفرادی سیرت اور ذاتی رویوں کی اصلاح کریں۔ ملی یکجہتی اور ثقافتی وحدت کے لیے ایثار و اطاعت کی خو پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھیں، دعائیں کریں کہ ہمارے حالات کو سنوار دے، قرآن و سنت کی بنیاد پر اتفاق رائے کے لیے توفیق و سازگاری عطا فرمائے۔ باہمی نزاع و اختلاف، لڑائی جھگڑے، لوٹ مار، کشت و خون، فساد و غارت گری کا بازار جو گرم ہو گیا ہے، ندامت کے آنسوؤں سے اور عملی رویوں سے اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت ہمارے اطراف میں جو حالات رونما ہوئے ہیں یا پائے جا رہے ہیں، ان میں بہت کچھ ہماری سیاہ بختیوں اور بداعمالیوں کا دخل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا حال ان لوگوں جیسا ہو جائے جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے:

(ترجمہ) ”کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی فتنے میں یہ مبتلا کیے جاتے ہیں، پھر بھی یہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔“ (التوبہ: 126)

یہ صورت حال بڑی حد تک مسلمانوں پر صادق آ چکی ہے۔ ہر طلوع ہونے والا دن ایک نئی مصیبت اور ایک خوفناک چیلنج لے کر نمودار ہو رہا ہے، مگر ہمارے علماء، خواص، لیڈر، تجزیہ نگار اور پالیسی ساز کوئی عبرت نہیں پکڑتے، اللہ سے لو نہیں لگاتے، اس سے نصرت و بصیرت کے طلب گار نہیں بنتے، عوام کو اللہ کی کتاب کے مطابق رہنمائی فراہم نہیں کرتے۔ اپنی عقل پر، طاغوت کی عنایت پر، اپنے آنکڑوں اور میزانیوں پر، سیکولر اقدار کی پذیرائی پر، غیر اللہ کی دہائی اور بے معنی فغان و فریاد پر تکیہ کیے ہوئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اداسیوں کی کہر اور مایوسیوں کی دھند گہری ہوتی جا رہی ہے۔ ہر تدبیر الٹی پڑ رہی ہے۔

روزہ اور قرآن

عبدالعزیز سلفی فلاحی

سورۃ یونس

(آیات:40تا45)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ
عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ
وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ
بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵

’’اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور تمہارا پروردگار شریروں سے خوب واقف ہے۔ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال کا، تم میرے عملوں کے جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے عملوں کا جوابدہ نہیں ہوں۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں۔ تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ کچھ بھی (سنتے) سمجھتے نہ ہوں؟ اور بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں۔ تو کیا تم اندھوں کو رستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں۔ اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا (تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (وہاں) گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے (اور) آپس میں ایک دوسرے کو شناخت بھی کریں گے۔ جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔‘‘

فرمایا، ان میں وہ بھی ہیں جو اس قرآن پر آج نہیں تو کل ایمان لے آئیں گے اور وہ بھی ہیں جو کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا رب اُن مفسدوں سے واقف ہے۔ پھر اگر یہ آپؐ کو جھٹلا دیں تو کہہ دیجئے میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔ تم میرے عمل سے بری ہو۔ اِس بارے میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور میں بھی بری ہوں اور تمہارے اعمال کے بارے میں ہرگز ذمہ دار نہیں ہوں۔

اے نبیؐ! ان میں وہ بھی ہیں جو بڑی توجہ سے کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں۔ تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں چاہے وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں۔ یہ ایسا اس لیے کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کو دھوکہ دیں۔ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم پورے خلوص کے ساتھ جا کر حضرت محمد ﷺ کی باتیں دھیان سے سنتے ہیں، مگر وہاں تو کوئی ایسی بات ہی نہیں جس کو مانا جائے۔ چونکہ ان کی نیت سُن کر ماننے کی تھی ہی نہیں، اس لیے اُن کا سننا ایسا ہی ہے جیسا کوئی اندھا بہرہ ہو۔

ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کو دیکھتے ہیں۔ تو کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ دیکھتے نہ ہوں۔ جب صحیح طور پر دیکھنے کی نیت نہ ہو تو ایسا دیکھنے والا اندھوں کی طرح ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا آپ کے پاس آنا، آپ کو دیکھنا، آپ سے اللہ کا کلام سننا ان کے حق میں مفید نہیں ہے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ انسانوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور جب اللہ انہیں قیامت کے دن جمع کرے گا اور وہ حشر کے میدان میں اکٹھے ہوں گے تو انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ دنیا کی زندگی کس قدر مختصر تھی۔ انہیں دنیا اور برزخ میں گزرا ہوا وقت ایک دن یا دن کا کچھ حصہ محسوس ہوگا۔ وہاں وہ ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔ فرمایا، یہ لوگ بڑے خسارے میں رہے اور بربادی کا شکار ہوئے جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھوٹ جانا، اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

تکمیل ایمان کی نشانی: للّٰہیت

عَنْ اَبُو اَمَامَةَ بَاهِلّی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ)) (ابوداوٗد)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے کی، کسی سے بغض رکھا تو اللہ کے لیے رکھا، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے دیا اور کسی سے کچھ روکا تو اللہ کے لیے روکا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔‘‘

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

میاں محمد نواز شریف کے نام!

ایک ایسا شخص جو تاریخ کو اتالیق کی حیثیت دے اور عقلیت پسندی اور جذباتیت میں توازن برقرار رکھنا جانتا ہو، کسی حادثہ کسی واقعہ پر اُس کا ردعمل اُس کے مستقبل کو سنوارتا اور روشن کرتا ہے جبکہ منتقم مزاج اور ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف کودنے والا شخص صرف اپنے لیے ہی مسائل کھڑے نہیں کرتا بلکہ متعلقین اور متاثرین کے لیے بھی خسارے کا باعث بنتا ہے۔ دونوں اشخاص کا دائرہ اثر جتنا محدود یا جتنا وسیع ہوگا اُسی شرح سے نفع و نقصان ہوگا۔ یعنی یہ اثر ایک گھرانے تک بھی محدود ہو سکتا ہے اور ایک پورے ملک یا قوم تک وسیع بھی ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو غیر جانبدارانہ سوچ رکھتا ہے اور سیاسی حوالہ سے بالغ ہے، وہ خواہ کسی طبقہ، کسی جماعت، کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو برملا اور بے جھجک کہے گا کہ 12 اکتوبر 1999ء کو مشرف اینڈ کمپنی نے سول حکومت کا تختہ الٹ کر غلط کیا، انتہائی غلط کیا۔ یہ قدم ملکی مفاد کے خلاف تھا۔ یہ قدم فوج کے ادارے کے لیے تباہ کن تھا۔ لیکن فوری طور پر شکار ہونے اور زیر عتاب آنے والے شخص اُس وقت کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف تھے۔ اُنہیں جبری طور پر ملک بدر کر دیا گیا۔ پرویز مشرف کا اقتدار اگست 2008ء تک رہا۔ بالآخر وقت نے اپنا فیصلہ صادر کیا۔ میاں محمد نواز شریف واپس آئے۔ مجرم مشرف ملک سے فرار ہونے پر مجبور ہوا اور میاں صاحب دوبارہ سیاسی اکھاڑے میں اترے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ میاں صاحب اُن تمام عوامل کا باریک بینی سے جائزہ لیتے جو 12 اکتوبر 1999ء کے حادثے کا باعث بنے۔ اُس میں اس نکتہ پر بھی غور کیا جانا یقیناً ضروری تھا کہ اقتدار کی ہوس میں مبتلا جرنیلوں سے مستقبل میں کس طرح نمٹا جائے۔ لیکن یہ بات کہ 12 اکتوبر 1999ء کو اُن کی عوامی مقبولیت کا گراف تشویشناک حد تک کیوں گر چکا تھا یا جسٹس سجاد علی شاہ کی بے جا مداخلت کے باوجود اُن کا سپریم کورٹ پر حملہ آور ہونا درست قدم نہیں تھا، اور اہم ترین بات یہ کہ ذاتی حوالے سے امریکی صدر (کلنٹن یا کوئی بھی ہو) کتنا بھی صدقے واری جاوے، امریکی کریں گے وہی جو وہ اپنے ملک کے مفاد میں سمجھیں گے، اگر میاں صاحب اِسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اپنا محاسبہ نہیں کرتے تو یہ بھی اُن کے لیے خطرناک ہوگا۔

اب ہم میاں صاحب سے براہِ راست مخاطب ہو کر عرض کریں گے کہ یہ انتہا بھی غلط تھی کہ آپ کی سیاسی پیدائش اور پرورش جرنیلوں کی گود میں ہوئی، اُن ہی کے زیر سایہ جوان ہوئے، پھر بڑے اہتمام سے IJI کا حصہ بنے بلکہ اس کے ہراول دستے کی کمان بھی آپ کو سونپ دی گئی، اور یہ دوسری انتہا بھی ملکی سلامتی کے حوالہ سے غلط اور تباہ کن ہے کہ جرنیلوں کو مار دو، مٹا دو اور نفرت کا سمبل بنا دو۔ میاں صاحب، بڑی حکمت اور تدریج کے ساتھ جرنیلوں کی سیاست میں دخل اندازی کا راستہ روکا جا سکتا ہے، جیسے کہ ترکی کے سیاست دانوں نے روکا ہے۔ اس کے لیے جلسے جلوسوں میں بھڑکیں مارنے اور شعلہ بیانی کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ وقت آنے پر بعض عملی اقدام کرنے کی ضرورت تھی۔ آپ کی انتہا پسندی کا معاملہ یہ ہے کہ مشرف کے غصہ میں ہندو دیوتاؤں کے چرنوں کو چھونے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ یقیناً ماضی میں بھارت کا ہوّا دکھا کر جرنیلوں نے طاقت حاصل کی ہے، اور اُس سے فائدہ بھی اُٹھایا ہے، آپ کی اِس حد تک سوچ درست ہو سکتی ہے، لیکن ردعمل میں یہ ماننے سے انکار کر دینا کہ بھارت ہمارا اولین اور پیدائشی دشمن ہے غلط ہوگا اور اس رو میں بہہ کر قائد اعظم ثانی اگر قائد اعظم اول کو رد کر دینا شروع کر دے، اگر اُسے ہندو اور مسلمان کی ثقافت، بود و باش، رہن سہن اور کھانے پینے میں کوئی فرق نظر نہ آئے اور وہ بارڈر کو محض ایک لکیر قرار دے تو یہ مذکورہ بالا دوسرے شخص کی مانند ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف کودنے والی بات ہے۔ اگرچہ اس بیان بازی کا یہ مدعا بھی ہو سکتا ہے کہ امریکہ ہم نے مان لیا، تسلیم کر لیا، تیرے سہارے کے بغیر پاکستان میں اقتدار کے قریب نہیں جایا جا سکتا۔ لہٰذا میں آزادی کے سہانے خواب دیکھنے سے باز آیا۔ اے امریکہ آ اور مجھے سہارا دے کر اقتدار کا زینہ طے کرنے میں میری مدد کر۔ اس تبصرے کو محض الزام تراشی قرار دے کر

تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

22 تا 28 رمضان المبارک 1432ھ — جلد 20
23 تا 29 اگست 2011ء — شمارہ 34

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------ (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

رد نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ امریکہ کا ہماری عسکری قیادت سے بھی اِس وقت سب سے بڑا یہی مطالبہ ہے کہ بھارت کو نہ صرف اپنا دوست اور بڑا مانو بلکہ اُسے اپنا سرپرست بھی تسلیم کرو اور اُس کے ساتھ مل کر طالبانِ افغانستان کا خاتمہ اور چین کا گھیراؤ کر کے خطے میں ہمارے مفادات کو آگے بڑھاؤ۔

میاں صاحب، دنیا میں سیاسی اور عسکری حوالہ سے اہم ہونے والا کوئی ایک ملک بھی ایسا ہے جس کے جرنیل ملک کی خارجی اور دفاعی پالیسیوں سے بالکل لاتعلق ہوں۔ امریکہ جیسے جمہوری لحاظ سے مضبوط ملک میں پینٹا گون کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً جرنیل آخری اور حتمی فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا، لیکن کوئی دانش مند سیاسی لیڈر اُن کی ہرائے کو ردی کی ٹوکری کے حوالہ بھی نہیں کر سکتا۔ میاں صاحب! پرویز مشرف قوم وملک بلکہ ملت کا مجرم تھا، وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ آپ ذہنی طور پر مشرف سے نجات حاصل کریں۔ آپ نے مشرف کے غصے میں زرداری صاحب کی فطرت کو جانتے ہوئے بھی انہیں گلے سے لگایا اور اتنے زوردار طریقے سے لگایا کہ اُنہیں موقع مل گیا کہ وہ اپنے ہاتھ آپ کے گلے تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ نے اس شخص کی حکومت مضبوط کی جس کی تاریخی کرپشن، بیڈ گورننس اور کراچی میں سیاسی فنکاریوں سے ملک قریب المرگ مریض کی طرح ہچکیاں لے رہا ہے (یاد رہے کہ صدر زرداری نے ایوانِ صدر میں ایک وزیر کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے غصہ سے کہا ہے کہ تم میری سیاست نہیں دیکھ رہے، کس طرح میں نے ایم کیو ایم اور اے این پی کو کراچی میں الجھا دیا ہے)۔

میاں صاحب اِس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اگر پیپلز پارٹی کی جگہ آپ حکومت میں آجائیں تو سب اچھا ہو جائے گا۔ اگرچہ آپ کی پاکستانیت شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن آپ کے چاروں طرف بھی عقیل انجم اور رانا ثنا اللہ ہیں۔ پھر یہ کہ سرمایہ اور اولاد آپ بھی لندن وغیرہ منتقل کر چکے ہیں۔ البتہ اگر آپ اپنا وہ وعدہ پورا کرنے کا عزم کرلیں جس کے بارے میں شنید ہے (دروغ برگردنِ راوی) کہ آپ نے خانہ کعبہ میں کیا تھا کہ اگر آپ کو دوبارہ پاکستان میں حکومت کا موقع میسر آیا تو آپ ربِ کعبہ کا نظام نافذ کردیں گے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ یا کوئی اللہ کا بندہ تہہ دل سے اور خلوص کے ساتھ اگر یہ طے کرلے کہ وہ اِس مملکت خداداد (جس کے قیام کا جواز ہی اسلام ہے) میں شریعت محمدیؐ نافذ کرے گا تو اُسے اللہ رب العزت کی خصوصی مدد حاصل ہوگی۔ آخر سوچئے تو سہی، سپریم پاور آف دی ورلڈ جو اپنے تئیں زمین کو مسخر کرنے کے بعد خلا اور چاند کو مسخر کرنے کے چکر میں ہے، وہ بے سروسامان اور غاروں میں پناہ لینے والے ملّا عمر کے سامنے گھٹنے کیوں ٹیک رہا ہے، مذاکرات کی بھیک کیوں مانگ رہا ہے۔ صرف اور صرف اِس لیے کہ ملّا عمر کو اللہ کی مدد حاصل ہے۔ کیا پاکستان کی سیکولر لابی، کیا جاگیردار اور وڈیرے، کیا بڑے بڑے سیٹھ اور سرمایہ دار، اور کیا اسمبلیوں کے حرام خور ممبران اسمبلی اسلام کے راستے میں امریکہ سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ کسی کو تو ''من انصاری الی اللہ'' کی صدا لگانی ہوگی۔ یقین رکھئے، آگے سے ''نحن انصار اللہ'' کی آواز بھی آئے گی۔ وگرنہ جان لیں، اچھی طرح جان لیں کہ یہ ملک اپنے انجام کو پہنچا چاہتا ہے۔ کراچی میں بے رحم گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی تعداد قریب قریب نصف صد یومیہ ہو چکی ہے۔ بلوچستان ہاتھوں سے نکل رہا ہے۔ وہاں پاکستانی جھنڈا نفرت کا نشان بن چکا ہے۔ شیطانی اتحاد ثلاثہ امریکہ، بھارت اور اسرائیل تاک میں ہیں۔ ہم فرسودہ، ازکار رفتہ گلے سڑے نظام کو بچاتے رہے تو ملک نہیں بچے گا۔ دانش مند وہ ہے جو دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرے۔ جس قوم نے بھی اپنے بنیادی نظریے کو ترک کیا، وقت نے اُٹھا کر اُسے کوڑے دان میں پھینک دیا ہے۔

نوٹ: یہ مضمون اُس شنید کی بنیاد پر لکھا گیا ہے، جس کا ذکر سطورِ بالا میں کیا گیا ہے، یعنی خانہ کعبہ میں نواز شریف کا نفاذِ اسلام کا وعدہ۔ میاں محمد نواز شریف رمضان المبارک کے آخری عشرے میں پھر بیت اللہ کی طرف عازم سفر ہیں۔ ہم چونکہ ناامید نہیں ہوتے، لہٰذا یہ توقع کرتے ہیں کہ اِس عید پر وہ قوم کو یہ نوید جانفزا سنائیں گے کہ اب اُن کا منشور پاکستان میں نظام خلافتِ راشدہ کا نفاذ ہوگا۔

بیابہ مجلس اسرار

اہل ایمان کے اتحاد کی بنیاد: کتاب اللہ

موجودہ حالات میں ہر چہار طرف سے مسلمانوں سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ انہیں متحد ہو جانا چاہیے، اور انہیں اپنے سارے اختلافات ختم کر دینے چاہئیں۔ یہ بات اصولی طور پر تو درست ہے، لیکن اتحاد کی بات کرنے والے یہ نہیں بتاتے کہ بنائے اتحاد کیا ہو؟ وہ کون سی چیز ہے جس کی بنیاد پر ہم مجتمع ہو سکتے ہیں؟ صرف خطرے کی بنیاد پر جو اتحاد ہوتا ہے وہ منفی اتحاد ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ منفی اتحاد بہت ہوئے ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ آج تک ان منفی اتحادوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ تو ضرورت مثبت اتحاد کی ہے، جس کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد ہو۔ قرآن حکیم نے اہل ایمان کے لیے اتحاد کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (اللہ کی رسی کو مجتمع ہو کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو!) اب غور طلب بات یہ ہے کہ وہ ''حبل اللہ'' کون سی ہے جسے مضبوطی سے تھاما جائے؟ ایک طویل حدیث نبوی کے اس ٹکڑے میں حضور ﷺ کی طرف سے اسی کی وضاحت ہے: ((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) کہ یہ قرآن مجید ہی اللہ کی وہ مضبوط رسی ہے جسے تم نے تھامنا ہے۔ یہی وہ مرکز ہے کہ اس کے قریب تر آؤ گے تو ایک دوسرے سے بھی جڑتے چلے جاؤ گے، اور اس سے دور ہٹتے جاؤ گے تو تمہارے اندر اضطراب، اختلاف اور انتشار اور تشتت بڑھتا چلا جائے گا۔

تو واقعہ یہ ہے کہ ان حالات میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن حکیم کی طرف ہمارا رجوع ہو۔ ہماری تقدیر اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک اس قرآن کے ساتھ ہم اپنے تعلق کو از سرِ نو مضبوط نہیں کر لیتے۔ جب تک ہم اس قرآن کا حق ادا نہیں کریں گے، اس وقت تک صرف ساز وسامان ہمارے لیے مفید نہیں ہوگا۔ ساز وسامان دوسروں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے، لیکن اس امت کے لیے یہ اس وقت مفید ہوگا جب یہ اپنے مرکز کے ساتھ بھی وابستہ ہو جائے۔ اور ہمارا مرکز، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں قرآن ہے۔ ہمارے اتحاد کی اگر کوئی بنیاد ہے تو قرآن ہے۔ ہمارے عروج وبلندی کے لیے اگر کوئی زینہ ہے تو قرآن ہے۔ اور ذلت ورسوائی سے نجات کا کوئی راستہ ہے تو قرآن ہے۔ ہماری قسمت اسی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کوئی راستہ کھلے گا تو اسی کے ذریعے سے کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب کو حرزِ جان بنانے اور اس کے جملہ حقوق جو ہم پر عائد ہوتے ہیں، کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔

بنی اسرائیل پر عذابِ الٰہی کے کوڑے اور ملت اسلامیہ پاکستان

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 22 جولائی 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۂ بنی اسرائیل کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! گزشتہ چند اجتماعات جمعہ میں خلافت کا موضوع ہمارے زیر گفتگو رہا۔ اس کے بہت سے پہلو بیان ہوگئے تھے۔ جو بات رہ گئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں یہ نظام کیسے قائم ہوگا۔ اگرچہ اس پر بھی پہلے کئی مواقع پر اِس مسجد میں بات ہوچکی ہے۔ خلافت اس زمین پر اللہ کے نظام کے قیام کا نام ہے۔ مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ اللہ کے اس نظام کو اللہ کی زمین پر قائم و نافذ کریں۔ لفظ ''خلافت'' اُمت کی اجتماعی حیثیت کے لیے ایک symbol کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ خلافت کا ادارہ جب پہلے قائم ہوا تھا اُس وقت اُمت ایک وحدت تھی۔ اُس کا ایک خلیفہ تھا۔ لہٰذا ذہن اُسی کی طرف جاتا ہے لیکن ظاہر ہے اس کا آغاز اس سے ہوگا کہ پہلے تمام مسلمان ممالک اپنے اپنے ملکوں میں اللہ کے اس دین کو قائم کریں گے جو پھر اجتماعی خلافت کی شکل بن جائے گی۔ ہم اگر مسلمانانِ پاکستان فی الواقع خلافت چاہتے ہیں تو ہمیں اس ملک میں اللہ کا یہ نظام قائم کرنا ہوگا۔ یہ ہمارے لیے آپشن نہیں ہے، بلکہ دین کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ ہمارا فرض منصبی ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔

قرآن مجید میں اسلامی معاشرے کے حوالے سے کچھ بنیادی اصول دیئے گئے۔ یہ اسلامی معاشرے کی بنیادیں ہیں، جن پر استوار معاشرہ کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ یہ معاشرہ اسلامی ہے۔ یہ بنیادیں کون سی ہیں؟ مثلاً آج کا پاکستانی معاشرہ مسلم معاشرہ ہے، وہ کون سے بنیادی خدوخال ہیں جن کی بنا پر ہم اِسے اسلامی کہہ سکتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کے خدوخال کی تفصیل تورات میں بھی آئی تھی اور اسی کا خلاصہ قرآن حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں دے دیا گیا ہے۔ یہ وہ ابدی قوانین ہیں۔ جو ہر دور میں چلے آتے ہیں۔ اس لیے کہ دین ہر دور میں ایک ہی رہا ہے۔ اس کی بنیاد توحید ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ (الشوریٰ:13) ''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں تورات کی تعلیمات کا خلاصہ آیا ہے۔ خلافت کے موضوع کے تسلسل میں میں نے چاہا کہ اِن دو رکوعوں کا بھی ہم مطالعہ کرلیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اسلامی معاشرے کے بنیادی خدوخال کیا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان شاء اللہ ان پر گفتگو ہوگی۔ لیکن اس سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی اور آخری چند آیات کا مطالعہ کرلیا جائے، اِس لیے کہ ان آیات میں بنی اسرائیل کی تاریخ اور کردار کا اجمالی تذکرہ ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کی سورتوں کے نام محض علامتی ہیں، جیسے سورۃ البقرہ ہے، تاہم کہیں کہیں محسوس ہوتا ہے کہ سورتوں کے نام ان کے موضوع کے عین مطابق ہیں، جیسے 29ویں پارے میں سورۂ نوح ہے۔ یہ سورت واقعتاً اول تا آخر حضرت نوح علیہ السلام ہی کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ بہرکیف سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں بھی بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے اور آخر میں بھی بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا بکثرت ذکر آیا۔ یہاں تک کہ سورۃ البقرہ میں اس پر پانچویں رکوع سے لے کر چودھویں رکوع تک مسلسل 10 رکوع ہیں۔

قرآن نے بنی اسرائیل کا تذکرہ اِس کثرت سے کیوں کیا، اس لیے تاکہ ہم اُن کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ بنی اسرائیل ہم سے پہلے زمین پر اللہ کی نمائندہ اُمت تھی۔ جب اُس نے اللہ کی نمائندگی کا حق ادا نہ کیا، دین سے بے وفائی اور غداری کی تو انجام بد سے دوچار ہوئی۔ اگر ہم بھی وہی روش اپنائیں گے تو اللہ کے عذاب کی گرفت نہ بچ سکیں گے۔ بنی اسرائیل کے تذکرہ سے گویا ہمیں راہنمائی دی گئی ہے۔

آیئے، اِن آیات کا مطالعہ کریں۔ پہلی آیت ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①﴾

''وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو

مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔‘‘

> آپؐ سفرِ معراج کے پہلے مرحلے میں بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں تمام انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ اس سے ایک تو یہ اعلان کردیا گیا کہ آپؐ سید الانبیاء اور سید المرسلین ہیں اور دوسرے یہ کہ مسجد حرام کے ساتھ ساتھ، مسجد اقصیٰ کی تولیت بھی آپؐ کی اُمت کو دی گئی ہے

یہاں نبی اکرم ﷺ کے سفرِ معراج کے زمینی حصہ کا تذکرہ ہے، جیسے اسرا کہا جاتا ہے۔ بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ سے کیوں کہا گیا؟ مسجد اقصیٰ اس وقت تک وہاں تعمیر نہیں ہوئی تھی بلکہ کسی زمانے میں ہیکل کی تعمیر ہوئی تھی۔ بعد میں جب وہ عیسائیوں کے قبضے میں آیا تو انہوں نے اُسے اپنا گرجا بنا لیا۔ وہ عیسائیوں کی بھی سجدہ گاہ تھی اور یہودیوں کی بھی۔ اقصیٰ دور کی جگہ کو کہتے ہیں۔ بعد میں مسلمانوں نے وہاں مسجد تعمیر کی تو اس کا نام ہی ’’مسجد اقصیٰ‘‘ رکھ دیا گیا، کیونکہ قرآن مجید میں پہلے ہی اس کے نام کا اشارہ دے دیا گیا تھا۔ اس آیت میں گویا نبی اکرم ﷺ کی رفیع الشان حیثیت کی وضاحت کردی گئی۔ سفرِ معراج کے پہلے مرحلے میں آپؐ بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں تمام انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ اس سے ایک تو یہ اعلان کردیا گیا کہ آپؐ سید الانبیاء اور سید المرسلین ہیں اور دوسرے یہ کہ آپؐ کی اُمت کو مسجد حرام کے ساتھ ساتھ، مسجد اقصیٰ کی تولیت بھی دی گئی ہے، ورنہ آپؐ بیت اللہ سے براہِ راست بھی معراج پر جاسکتے تھے۔

اس کے فوراً بعد تورات دیئے جانے کا ذکر ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ②﴾

’’اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔‘‘

قرآن اس بات کا بڑے اہتمام سے تذکرہ کرتا ہے کہ اللہ نے کتاب تورات کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت نامہ بنایا تھا۔ آسمانی ہدایت کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلا انسان جو اللہ نے زمین پر بھیجا (یعنی ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام) اُس پر وحی نازل کی گئی، اور وہیں سے آسمانی ہدایت کا آغاز ہوگیا۔ بنی اسرائیل کے لیے جو آسمانی ہدایت نازل ہوئی تھی وہ تورات کی شکل میں تھی، اور آج پوری نوع انسانی کے لیے ہدایت قرآن حکیم ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے ہدایت ہے۔ کتاب تورات میں اللہ نے بنی اسرائیل کو یہ بنیادی ہدایت دی تھی کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ ایمان کا حاصل اللہ پر توکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کل قوت کا سرچشمہ ہے۔ وہی ذات واحد توکل اور بھروسے کے لائق ہے۔ جس شخص کا ایمان اللہ پر ہوگا، اُس کا توکل اور بھروسا صرف اُسی کی ذات پر ہوگا۔ یہود دولت اور دنیا پرستی میں مبتلا تھے اور ہیں، اِس لیے انہیں تنبیہ کی کہ صرف اللہ پر بھروسا رکھنا۔ آج تو ہر طرف مادہ پرستی کا غلبہ ہے۔ ساری توجہات مادی وسائل پر مرکوز ہیں۔ نگاہ اس طرف جاتی ہی نہیں کہ اس کائنات کے اندر کوئی اور قوت بھی ہے، جبکہ ایمان اصل میں ہے ہی یہ کہ اللہ ایک قوت ہے، اُس کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں کوئی طاقت واختیار نہیں۔

﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③﴾

’’اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بے شک نوح شکر گزار بندے تھے۔‘‘

بنی اسرائیل کون ہیں؟ یہ اُن لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جن کو اللہ نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں ان کے بیٹے سوار تھے۔ انہی کے بیٹوں میں آگے نسل چلی۔ انہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر اُن کے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام، پھر اُن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام اور پھر آگے اُن

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد (مرد حضرات) کے لیے بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام

19 ستمبر سے

فہم دین کورس

(موڈیول I اور II) کا آغاز ہو رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

نصاب (موڈیول I)
- عربی گرامر (تیسیر القرآن کے پہلے 20 اسباق)
- تجوید و ناظرہ
- مطالعہ حدیث (منتخب نصاب حدیث)
- ایمانیات

نصاب (موڈیول II)
- عربی گرامر (تیسیر القرآن کے آخری دس اسباق)
- ترجمہ قرآن مع عربی گرامر
- تجوید و حفظ
- توسیعی محاضرات (بنیادی اصطلاحات حدیث، قرآن فہمی کے اہم اصول اور مآخذ، دینی موضوعات پر لیکچرز)

دورانیہ: 4 ماہ **اوقات تدریس:** مغرب تا عشاء (سوموار تا جمعرات)

داخلہ کے خواہشمند حضرات قرآن اکیڈمی K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور 19 ستمبر تک وہیں جمع کرادیں۔

نوٹ: موڈیول II میں داخلے کے لیے موڈیول I کا پاس ہونا یا داخلہ ٹیسٹ پاس کرنا لازمی ہے۔

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-042-35869501، irts@tanzeem.org

نیشان دانش 0336-4205587 0333-4430391

کے گیارہ بیٹے ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ لہٰذا اُن کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

آگے بنی اسرائیل کی تاریخ کو جو دو ہزار سال پر محیط تھی آنحضور ﷺ کے عہد تک چند آیات میں سمیٹ دیا گیا: فرمایا:

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④﴾

''اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔''

اب یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب اللہ نے پہلے ہی معین کر دیا تھا کہ یہود دو بار فساد مچائیں گے، تو پھر ان بے چاروں کا کیا قصور؟ اس طرح کا اشکال اصل میں ہمارے اپنے فہم کا قصور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے علم کامل کی بنیاد پر فرمائی۔ ہدایت تو بنی اسرائیل کو مل گئی، تورات عطا ہو گئی، رسول اُن کے پاس آ گئے، لیکن اللہ کو معلوم تھا کہ وہ اس ہدایت کو نظرانداز کر کے زمین میں فساد مچائیں گے۔ گناہ، معاصی، نافرمانی، اللہ سے بغاوت اور طغیانی کی روش اپنائیں گے۔ جس کے نتیجے میں فساد ہی فساد ہو گا، اللہ کی طرف سے اُن پر سخت ترین عذاب کا کوڑا برسے گا۔ ویسے تو چھوٹے چھوٹے عذاب کے کوڑے ان پر اُن کی پوری تاریخ ہی میں برستے رہے لیکن اُن پر عذاب کے دو بہت بڑے کوڑے برسے تھے۔ آگے اسی کی وضاحت آ رہی ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤﴾

''پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے۔ اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔''

فرمایا، جب پہلے وعدے کا وقت آیا — یہ وعدہ کہ جب تم سرکشی مچاؤ گے تو تم پر عذاب کا سخت کوڑا پڑے گا — تو اللہ نے تم پر اپنے وہ بندے مسلط کر دیئے جو بڑی قوت والے تھے، اور وہ تمہارے گھروں کے اندر گھس گئے۔ یہ فساد کی انتہا ہوتی ہے کہ کوئی فاتح قوم قتل و غارت کرتے ہوئے گلیوں اور گھروں کے اندر گھس جائے، اس لیے کہ پھر مردوں کا قتل عام ہوتا ہے، اور خواتین کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک ہوتا اور اُن کی آبروریزی ہوتی ہے۔

یہاں اشارہ یہود پر بابل کے حکمران بخت نصر کی یلغار کی طرف ہے۔ یہ 587 قبل مسیح کی بات ہے۔ بخت نصر نے حملہ کر کے یہود کی جنوبی سلطنت یہودیہ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، لاکھوں افراد کو قتل کیا۔ عورتوں، مردوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ (جاری ہے)

☆☆☆

کلیۃ القرآن کا شاندار رزلٹ

ذیشان دانش، معلم کلیۃ القرآن

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام کلیۃ القرآن (قرآن کالج) میں 2009ء سے درس نظامی کی تدریس کے ساتھ میٹرک اور ایف اے کی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے۔ کلیۃ القرآن میں لاہور بورڈ کے مضامین اردو، انگریزی، اسلامیات لازمی، مطالعہ پاکستان، ریاضی، جنرل سائنس، عربی اور اسلامیات اختیاری کے ساتھ ساتھ **وفاق المدارس العربیہ والاسلامیہ** کا مکمل نصاب بھی پڑھایا جاتا ہے۔ تمام طلبہ ہاسٹل میں مقیم ہیں، جہاں ان کی دینی اور اخلاقی تربیت پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر بچے معاشی طور پر کمزور گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں، جس کی بناء پر انہیں مفت تعلیم، رہائش اور طعام کی سہولت فراہم کی گئی ہے۔

تاحال کلیۃ القرآن میں درجہ اولیٰ، درجہ ثانیہ اور درجہ ثالثہ کی تدریس کے ساتھ نہم، دہم اور ایف اے (سال اول) کی تدریس جاری ہے۔ اگلے تعلیمی سال میں درجہ رابعہ کے ساتھ ایف اے (سال دوم) کی کلاسز بھی شروع ہو جائیں گی (ان شاء اللہ)۔

بحمد اللہ اس سال کلیۃ القرآن کے ایک بیچ نے میٹرک کے بورڈ کے امتحانات کے ساتھ درس نظامی کے درجہ ثانیہ کے سالانہ امتحانات بھی دیئے، جن میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور اس کی تائید و نصرت سے شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کامیابی میں طلبہ کی شبانہ روز محنت اور اساتذہ کی بھرپور کاوشیں کارفرما ہیں، جن کا پھل اللہ تعالیٰ نے درس نظامی میں 100% کامیابی کی شکل میں دیا۔ اسی طرح میٹرک کا رزلٹ 82% رہا۔ درس نظامی میں ایک طالب علم (محمد رمضان) ممتاز اور اکثر طلبہ جید جدًا کے گریڈ میں پاس ہوئے۔ بورڈ کے امتحانات میں ایک طالب علم (تنویر احمد) نے 78% نمبر، جبکہ دو طلبہ نے 70% سے زیادہ نمبر لے کر شاندار کامیابی حاصل کی اور سات طلبہ نے 60% سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔

میٹرک کے رزلٹ کی سمری:

امتحان دینے والے طلبہ	:	22
پاس ہونے والے طلباء کی تعداد	:	18
فی صد رزلٹ	:	82%

درجہ ثانیہ کے رزلٹ کی سمری:

امتحان دینے والے طلبہ	:	25
پاس ہونے والے طلباء کی تعداد	:	25
فی صد رزلٹ	:	100%

رمضان، قرآن اور پاکستان

محمد سمیع

رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو جسے جمہور علماء کے نزدیک شب قدر کی حیثیت حاصل ہے مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ شب قدر وہ شب ہے جب قرآن کریم کا آسمان دنیا پر نزول ہوا۔ نزول قرآن کی شب قیام پاکستان کا عمل میں آنا مشیت ایزدی کی طرف سے ایک اشارہ سمجھا جانا چاہئے تھا کہ تم نے تحریک پاکستان کے دوران ہم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہمیں ایک آزاد خطہ میسر آ گیا تو ہم وہاں اسلام کے اصولِ حریت ومساوات پر مبنی ایک اسلامی ریاست نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے، لہٰذا اب تمہیں اپنی انفرادی زندگیوں کو بھی اسلامی تعلیمات کے تابع کرنا پڑے گا اور اجتماعی سطح پر بھی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا قیام عمل میں لانا پڑے گا، جس کے لئے رہنمائی تمہیں میرے آخری ہدایت نامے یعنی قرآن کریم سے حاصل کرنا ہوگی۔ بدقسمتی سے آج تک یہاں نہ تو افراد کی عظیم اکثریت نے اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا اور نہ ہی یہاں نظام خلافت نافذ ہوسکا۔ اسلام سے بے وفائی کے نتیجے میں ہمیں ماضی میں سقوط ڈھاکہ کی ذلت، بنگلہ دیش کے کیمپوں میں پاکستانیوں کی مسلسل محصوری کی الم ناکی کا سامنا کرنا پڑا، اور اب ظلم و ناانصافی، دہشت گردی کے فروغ اور امن و امان کی بدترین صورتحال کا سامنا ہے۔ بلوچستان بنگلہ دیش کی راہ پر گامزن اور کراچی کرچی کرچی ہو رہا ہے، جس کے نتائج کیا برآمد ہوں گے اس کا سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ یہ اس جرم کی نقد سزا ہے جو ہمیں تحریک پاکستان کے دوران کئے گئے وعدے سے انحراف کے نتیجے میں مل رہی ہے۔

ہمارے آج کے دانشوروں نے قائداعظم کی ایک تقریر کے چند جملوں کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ اسے ایک سیکولر ریاست قرار دینا چاہتے تھے۔ حالانکہ اس معروف اصول کے تحت بھی کہ Exeptions prove the rule، انہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے کہ قائداعظم کے اسلامی نظام کے حق میں سینکڑوں بیانات کے بعد ان کی مذکورہ تقریر خود یہ ثابت کر رہی ہے کہ پاکستان کی منزل اسلام ہے، سیکولرازم نہیں۔ مزید برآں اتنی موٹی سی بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر قائداعظم کے پیش نظر ایک سیکولر حکومت کا قیام ہی تھا تو انہیں اس کے لئے ہندوستان جو خود ایک سیکولر ریاست ہے، سے الگ ریاست کے قیام کی جدوجہد کا کھکھیڑ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قائداعظم کی طرح دیگر مسلم لیگی قائدین نفاذ اسلام کے بارے میں مخلص نہ تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے اللہ کی حاکمیت اور حکمرانوں کی خلافت سے متعلق قرارداد مقاصد کو منظور کروانے کے لئے اسمبلی کے باہر اور اندر کے دینی قائدین کو ایک بھرپور تحریک یہ ثابت کرنے کے لئے چلانی پڑی کہ پاکستانی عوام اس قرارداد کی منظوری کے حق میں ہیں۔ شنید یہ بھی ہے کہ اس قرارداد کی منظوری کے بعد اس قسم کی باتیں بھی کی گئی تھیں کہ آج ہمارا سر دنیا کے سامنے شرم سے جھک گیا ہے۔ گویا اس دنیا میں جہاں سیکولرازم کا ڈنکا بج رہا ہے، وہاں اس کے ایک حصہ میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار باعث شرم بات تھی۔

آج بھی اِسی قبیل کے لوگ قرارداد مقاصد کو اپنا ہدف بنائے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی جگہ قائداعظم کی مذکورہ بالا تقریر کو دستور کا حصہ بنا دیا جائے۔ اول روز ہی سے حکمرانوں کے رویوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے، خواہ وہ سول حکمراں ہوں یا فوجی۔ وہ یہاں اسلام کے نظام کے نفاذ کے حق میں نہیں، لیکن وہ جو غالبؔ نے کہا تھا کہ ؎ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر۔ ہمارے حکمراں جانتے ہیں کہ عوام اسلام سے جذباتی لگاؤ ضرور رکھتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے اقتدار تک پہنچنے اور اِس کے دوام کے لئے اسلام کا نام لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ورنہ ان لوگوں نے قرارداد مقاصد کو غیر مؤثر بنانے کا پورا انتظام پہلے ہی کر دیا تھا کہ اسے آئین کی قابل عمل شق operative clause بنانے کی بجائے اسے اس کے دیباچے کی حیثیت دی۔ وہ تو اللہ بھلا کرے جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کا جن کے دور حکومت میں اسے قابل عمل شق بنایا گیا۔ پھر یہ ہوا کہ ہمارے ایوان عدل نے اپنے ایک فیصلے میں اسے دیگر شقوں کے مساوی حیثیت دے کر اسے ایک بار پھر غیر موثر بنا دیا۔ پھر جب حکمرانوں کی طرف سے یہ سوال سامنے آیا کہ کس کا اسلام نافذ کیا جائے؟ دیوبندیوں کا، بریلویوں، اہل حدیث یا اہل تشیع کا، تو 31 علماء کرام نے طویل غور وخوض اور مشاورت کے بعد 22 نکات پر مشتمل متفقہ فارمولا پیش کر دیا۔ بجائے اس کے کہ اس فارمولے پر عمل کیا جاتا، ایوب خان کے دور میں ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کے نام سے لفظ ''اسلامی'' کو حذف کرنے کی ناکام کوشش کی گئی اور اسی پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ غیر شرعی نکات پر مشتمل family law ordinance جاری کر دیا گیا، جو آج بھی نافذ العمل ہے۔

قوم کو اسلامی نظریاتی کونسل کا لالی پاپ یہ کہہ کر تھمایا گیا کہ یہ کونسل قوانین کا جائزہ لے گی اور جو قوانین قرآن وسنت سے متصادم ہوں، ان کی اصلاح کے لئے حکومت کو سفارشیں پیش کیا کرے گی۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی سفارشات کے ڈھیر لگا دیے ہیں لیکن آج تک اس کی کسی سفارش کو کسی حکومت نے درخور اعتناء نہ سمجھا۔ ضیاء الحق کے دور میں فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام اس لئے عمل میں لایا گیا کہ اگر کوئی شہری کسی قانون کے بارے میں یہ سمجھے کہ یہ قرآن وسنت سے متصادم ہے تو وہ اس کورٹ میں اپنے دلائل پیش کرے۔ اگر کورٹ ان دلائل سے قائل ہو جاتی ہے تو اس قانون کو کالعدم قرار دے دے گی اور حکومت کو اس کا متبادل قانون نافذ کرنے کا فیصلہ دے گی۔ اس کورٹ کو بھی غیر موثر بنانے کے لئے اس پر مختلف قدغنیں عائد کر دی گئیں کہ وہ دستور پاکستان کو ہاتھ نہیں لگا سکتی، عائلی قوانین سے چھیڑ خانی نہیں کر سکتی اور آئندہ دس سال تک مالیاتی نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی وغیرہ۔ جب مالیاتی نظام

(باقی صفحہ 14 پر)

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا مظہر

ماہ رمضان اور اُس کا آخری عشرہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ بے نیاز ذات ہے۔ صرف وہی خالق ہے۔ باقی سب مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات لامحدود ہیں۔ اُس کے علم کی کوئی حد ہے، نہ اُس کی قدرت کی کوئی حد ہے۔ اگر چہ اُس کی تمام صفات بے پایاں ہیں، تاہم اُس کی صفت رحمت ہر شے پر محیط ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ (الاعراف 186) ''اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔'' حدیث میں آتا ہے ((الخلق عیال اللّٰہ)) ''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔'' دنیا میں دیکھ لیجیے، ہر سربراہ کنبہ کو اپنے عیال کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو اپنی مخلوق کے ساتھ بے حد محبت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے لیے کوئی مثال نہیں دی جا سکتی، اس لیے جس طرح سربراہ خاندان کو افراد خانہ سے محبت ہے، اللہ تعالیٰ کو جو محبت اپنی مخلوق سے ہے، اُس کی مثال اس سے نہایت بلند ہے۔ فارسی کا ایک شعر ہے ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(میں نے مخلوق اس لیے پیدا نہیں کہ اس میں میرا فائدہ ہے بلکہ میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ اُن پر عنایات اور مہربانیاں کروں۔)

انسان بھی انسانوں پر مہربانیاں کرتے ہیں لیکن چونکہ انسان کی اپنی صلاحیتیں اور استعداد محدود ہوتی ہے، لہٰذا اُن کی کسی پر مہربانی یا عنایت بھی محدود ہی ہوتی ہے۔ مگر خدا کی مہربانیاں ایسی ہیں کہ اُن کی مثال بیان نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کے ساتھ اچھا معاملہ کر رکھا ہے مگر انسان پر اُس کی رحمت سے سب سے زیادہ ہے۔ انسان کے لیے اِس زندگی کو امتحان قرار دیا اور دارالعمل ٹھہرایا۔ اسے اچھائی اور برائی کی تمیز ودیعت کی۔ پھر انبیاء کے ذریعے اُس کی ہدایت کا سامان کیا۔ اِس کے نتیجے میں اگر انسان رضائے الٰہی کے مطابق کام کرتا ہے تو اُسے جنت کے ابدی پرسکون مقام کی بشارت دی گئی ہے۔

حصول جنت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اول انسان کی ہدایت کا انتظام کیا اور پھر اپنی بے پایاں رحمت کی بارش کر کے اُس کے لیے نجات کے راستے پر چلنا آسان کر دیا۔ مگر شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ وہ عدو مبین ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسان رضائے الٰہی پر چل کر نجات یافتہ ہو جائے۔ چنانچہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیطان کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہے اور اُس سے بچنے کے لیے اللہ کی مدد کا طالب رہے اور کسی حال میں بھی صراط مستقیم نہ چھوڑے۔ اس طرح وہ رب کریم کی رحمتوں کے سایہ میں رہے گا۔

انسان پر اللہ کی رحمت کے لاتعداد مظاہر میں سے ایک رمضان شریف بھی ہے۔ جس میں دن کا روزہ اور رات کا قیام ہوتا ہے۔ جو شخص اس کا اہتمام کرتا ہے اُس کو گناہوں کی بخشش کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ رمضان سال کا ایک مہینہ ہے۔ جس کو عمر میں یہ مہینہ مل گیا یوں سمجھیے اسے اللہ کی رحمتیں سمیٹنے کا ایک عمدہ موقع مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: ''جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ ماہ رمضان کے روزے رکھے اُس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو ایمان اور احتساب کی کیفیت کے ساتھ ماہ رمضان کی راتوں کو کھڑا رہا (اللہ کی عبادت کا اہتمام کیا) اُس کے بھی تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

رمضان شریف میں ہر نیک کام کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے، تاکہ اللہ کے بندے زیادہ سے زیادہ ثواب کما سکیں۔ نوافل کا ثواب فرضوں کے برابر اور فرضوں کا ثواب ستر گنا (کئی گنا) بڑھا دیا جاتا ہے۔ رمضان کے پہلے عشرے کو رحمت، دوسرے عشرے کو مغفرت اور تیسرے عشرے کو جہنم سے رہائی کا عشرہ قرار دیا۔ گویا رمضان شریف کو رضائے الٰہی کے مطابق گزارنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وافر حصہ پانا ہے۔

رمضان شریف کے آخری عشرہ کی خصوصی فضیلت ہے کیونکہ اس میں لیلۃ القدر آتی ہے۔ یہ وہ بابرکت شب ہے جس کو ہزار ماہ سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مظہر ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو بڑی فضیلت والی رات بنا دیا ہے۔ اسی طرح آخری عشرے کا اعتکاف مسنون قرار دیا گیا۔ اعتکاف کیا ہے؟ آدمی دس دن کے لیے مسجد میں قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ دن روزے کے ساتھ ذکر واذکار میں گزارتا ہے اور رات کے اوقات میں نوافل اور تلاوت میں مشغول رہتا ہے۔ ایسے شخص کو اعتکاف کا ثواب تو ملے گا ہی، خاص بات یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر بھی پا لے گا، جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

گویا رمضان شریف کے شب و روز کے دوران اللہ کی رحمت ہمہ وقت برستی رہتی ہے اور ہر شخص اپنی وسعت اور بساط کے مطابق اس سے وافر حصہ پاتا ہے۔ ہاں، ضروری ہے کہ انسان ماہ رمضان پورے آداب کے ساتھ گزارے جہاں عبادت کی ریاضت اختیار کرے وہاں افطار و سحر میں رزق حلال کا اہتمام کرے۔ روزے کی حالت میں اخلاقی برائیوں سے دور رہے کہ روزہ برائیوں سے دور رہنے کی تربیت ہی کا نام ہے۔ جب انسان پورا رمضان ناجائز امور سے بچنے کا اہتمام کرے گا، تو بعد از رمضان بھی وہ خطاؤں اور گناہوں سے باز رہنے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر کسی نے رمضان شریف میں روزے تو رکھے مگر غیبت، جھوٹ، بدعہدی اور بدنظری جیسے گناہوں کو نہ چھوڑا بلکہ اپنے معمولات برقرار رکھے اور روزہ صرف پیٹ تک محدود رکھا تو ایسے شخص رمضان پانے کے باوجود رب کی رحمت سے محروم رہا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ گویا اُن کا روزہ اور قیام اُن کے حق میں چنداں مفید نہیں ہوتا۔ اور یہ بہت بڑی محرومی ہے۔ (العیاذ باللہ)

ماہ صیام اپنے آخری عشرے میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ بابرکت لمحات بہت جلد گزر جائیں گے۔ جو وقت رہ گیا ہے، اُسے قیمتی بنائیے، اپنا محاسبہ کیجیے، آخری عشرہ میں قرآن حکیم کی تلاوت، اُس کے فہم، اللہ کی راہ میں انفاق، کثرت نوافل کا اہتمام کیجیے، جہنم سے پناہ مانگئے، جنت طلب کیجیے۔ کیا خبر آئندہ رمضان کے یہ لحات ہمیں نصیب ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔ حدیث رسول کا مفہوم ذہن میں رہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص تباہ ہو جائے جو رمضان کا مہینہ پائے اور اپنی مغفرت نہ کرا سکے۔

'اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟'

شاہ وارث

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی راتوں میں سے ایک مبارک رات وہ ہے جسے سورۃ القدر میں شب قدر کہا گیا ہے۔ یہ رات جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، بہت ہی قدر ومنزلت اور خیر وبرکت کی حامل ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن عظیم الشان کو اُتارا اور یوں پوری انسانیت کے لیے رُشد وہدایت کا راستہ فراہم کیا۔ نزولِ قرآن کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے اس رات کو ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل قرار دیا۔ اس شب کو ''قدر'' کا نام بھی اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ رب کائنات نے اپنی قابل قدر کتاب، اپنے قابل قدر رسول ﷺ پر نازل فرمائی۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ ''یہ مقدس رات صرف میری اُمت کو عطا کی گئی ہے۔ سابقہ امتوں میں سے یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا۔''

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شب قدر کو جبرائیل امین فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اُتر آتے ہیں اور ہر اس شخص کے لیے دُعائے مغفرت کرتے ہیں جو کھڑے، بیٹھے، لیٹے (گویا کسی بھی حال میں) اپنے ربّ کی یاد میں مشغول ہو۔''

شب قدر کے متعلق تعین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اِس سے مراد کون سی رات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اِس بارے میں صرف اتنا فرمایا کہ اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ البتہ اُمت کے جمہور علماء کا احادیث نبویہ اور اقوال صحابہؓ کی روشنی میں تقریباً اتفاق ہو چکا ہے کہ وہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ ستائیسویں کی رات کو ترجیح دیتے ہوئے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ نے جو دلیلیں دی ہیں، وہ بڑی دلچسپ اور خاصی وزنی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ لفظ ''لیلۃ القدر'' کے 9 حروف ہیں اور اس سورۂ مبارکہ میں یہ لفظ تین بار آیا ہے، اِن حروف کا مجموعہ 27 بنتا ہے۔ وہ دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ سورۃ القدر کے کل 30 الفاظ ہیں، لیکن جس لفظ کے ساتھ اس رات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ''ھِیَ'' ضمیر ہے اور لفظ ''ھِیَ'' اس سورت کا 27 واں لفظ ہے۔ آپؓ ایک اور دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو طاق عدد پسند ہے اور طاق اعداد میں سات کے عدد کو کچھ زیادہ ہی ترجیح حاصل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں، ہفتے کے سات دن مقرر کیے، اسی طرح خانہ کعبہ کے طواف کے چکر بھی سات ہی بنتے ہیں۔ اِس تفصیل کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ربّ کریم اور اس کے برگزیدہ نبی حضرت محمد ﷺ نے اس رات کو مخفی رکھا ہے، تا کہ لوگ صرف ایک ہی رات نہیں، بلکہ اِس رات کی تلاش میں کئی کئی راتیں عبادت کریں۔

رمضان کے آخری عشرہ میں آپؐ کے معمولات کے حوالہ سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں ''جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ ﷺ کمر بستہ ہو جاتے تھے، رات بھر جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔'' ہماری یہ محرومی اور کم نصیبی ہے کہ دُنیا کی حقیر اور معمولی سے معمولی چیزوں کے حصول کے لیے تو کئی کئی راتیں جاگ کر بسر کر لیتے ہیں، مگر 80 سال کی عبادت سے افضل عبادت کو سمیٹنے کے لیے رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی چند راتیں جاگ نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، بشرطیکہ حوصلہ ہو، ایک مصمم ارادہ ہو، جنت کا شوق ہو، جہنم کا خوف ہو، حور وقصور کی تمنا ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دیدارِ الٰہی کی خواہش اور آرزو قلب وروح میں جاگزیں ہو۔ اگر یہ چیزیں ہوں تو پھر یہ راتیں قیام، رکوع وسجود میں آسانی بسر کی جاسکتی ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اندر انہی کی کمی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جواب شکوہ میں یونہی تو شکوہ نہیں کیا تھا کہ ؎

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں!

اور

قلب میں سوز نہیں ، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

❁❁❁

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی بہاولپور کے رفیق محمد ذوالفقار کے والد وفات پاگئے
- سرگودھا کے ملتزم رفیق ملک خدابخش کے بڑے بھائی قضائے الٰہی سے وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اللّٰھم اغفرلھما وارحمھما وادخلھما فی رحمتك وحاسبھما حسابًا یسیرًا

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی پشاور کے نقیب اسرہ محمد جبران اشرف کے والد بلڈ پریشر کے عارضے میں مبتلا ہیں اور پشاور کے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو صحت عطا فرمائے۔ رفقاء واحباب سے بھی دعائے صحت کی درخواست ہے۔

ادارہ ندائے خلافت کی جانب سے قارئین کو

عید مُبارک

نیز قارئین نوٹ فرمالیں کہ عیدالفطر کی تعطیلات کی وجہ سے پریس اور ادارہ کے دفاتر بند رہیں گے۔ بنا بریں ندائے خلافت کا آئندہ شمارہ شائع نہیں ہوگا۔

صدقۂ فطر کے احکام و فضائل

حافظ محمد زاہد

رمضان بڑی ہی برکتوں‘ سعادتوں اور نعمتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ مبارک کے بہت سے فضائل ہیں جن کی بنا پر اس کو باقی گیارہ مہینوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔اس ماہ میں ایک رات ایسی ہے جس میں عبادت کرنا ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔اس ماہِ مبارک میں نفل کا ثواب فرض کے برابر، اور فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہو جاتا ہے۔

جس طرح رمضان کی برکتیں اور سعادتیں بہت زیادہ ہیں‘ اسی طرح اس کے آداب بھی بہت ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس کے آداب میں ہم سے کوئی کمی رہ گئی ہو یا روزے کے آداب کو مکمل طور پر ہم ادا نہ کرسکیں ہوں تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے صدقۂ فطر کو ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے۔اب ہم صدقۂ فطر سے متعلقہ احکام اور فضائل کو فرداً فرداً (مختصر طور پر) بیان کرتے ہیں۔

صدقۂ فطر کی شرعی حیثیت

رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو ہر مسلمان پر لازم قرار دیا اور امام ابوحنیفہ کے مطابق صدقۂ فطر واجب ہے۔(اس بارے میں فقہی اختلاف بھی نوٹ کر لیں کہ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے نزدیک صدقۂ فطر زکوٰۃ کی طرح فرض اور امام مالک کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے:

’’رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام آزاد مذکر مؤنث اور ہر چھوٹے بڑے پر کھجوروں یا جو کا ایک صاع لازم کیا۔اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کے عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے اسے ادا کر دیا جائے۔‘‘(بخاری و مسلم)

صدقۂ فطر کا مقصد

صدقۂ فطر کو لازم کرنے کے دو مقاصد احادیث میں بیان ہوئے ہیں: (1) رمضان کے اعمال کی کمی کوتاہی کو پورا کرنے کے لیے، جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ نفل عبادات‘ فرض عبادات کی کمی کوتاہی کو قیامت کے دن پورا کریں گی۔ (2) معاشرے میں موجود غریبوں اور مسکینوں کے لیے عید کے دن کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لیے۔حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو لازم فرمایا جو روزہ داروں کی لغویات اور بیہودہ باتوں سے پاکی اور مسکینوں کی پرورش کے لیے ہے۔‘‘(ابوداؤد)

وکیع بن جراحؒ صدقۂ فطر کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’رمضان المبارک کے لیے فطرانہ ایسے ہی ہے جیسے کہ نماز کے لیے سجدۂ سہو ہے۔جس طرح سجدۂ سہو نماز کی کمی پورا کرتا ہے اسی طرح فطرانہ بھی روزے کی کمی وکوتاہی کو پورا کرتا ہے۔‘‘

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے

ہر وہ شخص جو صاحب نصاب ہو یعنی اس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقدی ہو، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔گویا صدقۂ فطر واجب ہونے کا نصاب بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، بس ان دونوں کے نصاب میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں مال کا بڑھنے والا ہونا شرط ہے جبکہ صدقۂ فطر میں ایسی کوئی شرط نہیں۔جبکہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس شوال کے مہینے کے شروع میں ایک دن کی اپنی‘ اپنے اہل وعیال اور صدقۂ فطر ادا کرنے کی خوراک ہو تو اس پر صدقۂ فطر لازم ہے۔صدقۂ فطر کے حوالے سے یہ اصول بھی یاد رکھیں کہ:

☆ جو بچہ یکم شوال کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقۂ فطر واجب ہے اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا تو اس پر واجب نہیں ہے۔

☆ جو شخص عید کی رات صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور جو صبح صادق کے بعد مرا تو اس کا صدقۂ فطر واجب ہے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر کی مقدار کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ جمہور اہل علم کے نزدیک گندم‘ چاول‘ جو‘ کھجور‘ کشمش اور پنیر کا ایک صاع دینا واجب ہے۔کوشش یہی کرنی چاہیے کہ انسان جو چیز زیادہ استعمال کرتا ہے اور جس معیار کی استعمال کرتا ہے‘ وہی چیز یا اس کی قیمت صدقۂ فطر کے طور پر ادا کرے۔جمہور کے نزدیک ایک صاع آج کل کے وزن کے مطابق تقریباً اڑھائی کلو کے برابر ہے۔جبکہ حنفیہ کے نزدیک ایک صاع کا وزن ساڑھے تین کلوگرام کے برابر ہے اور گندم میں نصف صاع یعنی پونے دو کلوگرام صدقۂ فطر واجب ہے۔اس حوالے سے دو احادیث ملاحظہ کریں:

حضرت عمرو بن شعیب ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں ایک منادی کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت‘ آزاد ہو یا غلام‘ چھوٹا ہو یا بڑا‘ دو مد (نصف صاع) گیہوں میں سے اور اس کے سوا دوسری کھانے کی چیزوں میں سے ایک صاع۔(ترمذی)

حضرت ابوسعید ؓ فرماتے ہیں کہ ہم صدقۂ فطر کے طور پر ایک صاع غلہ‘ یا ایک صاع کھجور‘ یا ایک صاع جو‘ یا ایک صاع کشمش‘ یا ایک صاع پنیر دیا کرتے تھے۔(بخاری و مسلم)

صدقۂ فطر کی مقدار کا چارٹ

(جمہور کے نزدیک)

جنس	وزن	صدقۂ فطر
گندم/آٹا	اڑھائی کلو	75روپے
چاول	〃	210روپے
جو	〃	150روپے
کھجور	〃	500روپے
کشمش	〃	750روپے
پنیر	〃	1950روپے

(احناف کے نزدیک)

جنس	وزن	صدقۂ فطر
گندم/آٹا	پونے دو کلو (احتیاطاً 2 کلو)	60روپے
چاول	ساڑھے تین کلو	294روپے
جو	//	210روپے
کھجور	//	700روپے
کشمش	//	1050روپے
پنیر	//	2730روپے

اس حوالے سے چند چیزیں نوٹ کرلیں: (1) ان اشیاء کے مختلف معیارات ہوتے ہیں، مثلاً عام چاول 80 روپے کا ہے اور اس سے اعلیٰ 100 روپے کا۔ اب انسان جس معیار کا چاول خود استعمال کرتا ہے اسی کی قیمت کے حساب سے وہ صدقۂ فطر ادا کرے گا۔ (2) جس طرح قربانی کے وقت انسان اچھے سے اچھا جانور خریدتا ہے، اسی طرح اس موقع پر بھی اسے اعلیٰ چیز صدقۂ فطر کے طور پر ادا کرنی چاہیے۔

صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت

جس طرح ہر عمل کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اسی طرح صدقۂ فطر کو ادا کرنے کا بھی ایک وقت مقرر ہے اور اس کا مستحب وقت رمضان المبارک کے آخری دن کے سورج غرب ہونے سے لے کر عید الفطر کی نماز ادا کرنے سے پہلے تک ہے۔ اس وقت کے بعد اس کی حیثیت عام صدقات کی ہو جائے گی لیکن جب تک انسان اس کو ادا نہیں کرے گا یہ اس کے ذمے واجب الاداء رہے گا' چاہے جتنا مرضی عرصہ گزر جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"جس نے اسے (صدقۂ فطر کو عید کی) نماز سے قبل ادا کیا تو یہ پسندیدہ زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے۔"

نوٹ: صدقۂ فطر کو عید سے ایک دو روز قبل بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ غریب حضرات بھی عید کی تیاری عید سے پہلے کرسکیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ عید سے ایک یا دو روز قبل فطرانہ ادا کر دیا کرتے تھے۔

صدقۂ فطر کے مصارف

جمہور علماء کرام کے نزدیک صدقۂ فطر کے وہی مصارف ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں جبکہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ صدقۂ فطر فقراء اور مساکین کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ صدقۂ فطر کو اسی علاقے اور شہر میں تقسیم کیا جائے جہاں انسان خود رہائش پذیر ہے، البتہ اگر کوئی مستحق رشتہ دار کسی دوسرے شہر میں ہو تو صدقۂ فطر اسے بھی دیا جاسکتا ہے۔

صدقۂ فطر کی برکات

صدقۂ فطر ایک مالی عبادت ہے اور اس کی بہت برکات ہیں۔ ایک روایت میں اسے لوگوں کی پاکی اور مال میں برکت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن صعیرؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"گندم کا ایک صاع (صدقۂ فطر کے طور پر ادا کرنا) تم میں سے ہر چھوٹے بڑے غلام آزاد مذکر مؤنث اور ہر امیر غریب پر لازم ہے۔ امیر کو اللہ تعالیٰ (اس کے ذریعے) پاک کر دیتا ہے اور فقیر جتنا دیتا ہے اس سے زیادہ اس کی طرف واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔" (مسند احمد)

صدقۂ فطر: بارگاہِ الٰہی میں اک التجا

صدقۂ فطر از خود عبادت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک درخواست و التجا کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ صدقۂ فطر اپنے ادا کرنے والے شخص کے بارے میں دعا کرتا ہے:

"اے اللہ! اگر اس کے صیام و قیام اور ماہِ رمضان کی دوسری عبادتوں میں کوئی کمی یا کوتاہی ہوگئی ہے تو میری وجہ سے اس سے درگزر فرما اور اس کی ماہِ رمضان کی تمام عبادات کو قبولیت کا درجہ عطا فرما کر اس کے حق میں ماہِ صیام اور قرآن کی شفاعت کو قبول فرما۔" (آمین یارب العالمین)

☆☆☆

خلافت فورم

☆ عالمی میڈیا امریکہ اور یورپ کی حکومتوں کی مدد سے اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کی مہم کیوں چلا رہا ہے؟
☆ اسلامی ممالک جدید ٹیکنالوجی میں مغرب سے بہت پیچھے ہیں، پھر بھی عیسائی دنیا اسلام سے اتنی خائف کیوں ہے؟
☆ جدید ٹیکنالوجی کے باوجود مغربی ممالک شرح جرائم کم کرنے میں کیوں ناکام ہیں؟
☆ مسلم دنیا سے ہزاروں گنا زیادہ وسائل رکھنے کے باوجود امریکہ و یورپ کا سماجی اور خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟
☆ اینڈر بریوک کون ہے اور کس تنظیم سے تعلق رکھتا ہے؟ اس نے ناروے میں قتل و غارت کیوں کی؟
☆ کیا برطانیہ کے حالیہ فسادات کا کوئی تعلق ناروے کے اس قاتل یا اس کی تنظیم سے جڑتا ہے؟
☆ یورپ میں مسلمانوں کا مستقبل کیسا ہے؟

ان سوالات کے جوابات تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھئے

مہمانِ گرامی: **ایوب بیگ مرزا** (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)
میزبان: **وسیم احمد**

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء و تجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش: شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خطبہ پنجم: سیرت النبیؐ میں باطل سے تصادم کے تکمیلی مراحل

تصادم کے آخری مرحلہ مسلح کشمکش کا آغاز

غزوۂ بدر

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا فکر انگیز خطاب

ہر قوم میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں انہیں عقابی مزاج کے لوگ (Hawks) اور فاختائی مزاج کے لوگ (Doves) کہا جاتا ہے۔ مکہ میں بھی ہر دو طرح کے لوگ موجود تھے۔ جوشیلے اور مشتعل مزاج لوگوں میں ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط بہت نمایاں تھے' جبکہ ٹھنڈے مزاج اور بردبار طبیعت کے حامل لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن حزام نمایاں تھے۔ اول الذکر لوگوں کا کہنا تھا کہ چلو اب مدینے پر حملہ کرو اور محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا قلع قمع کر دو۔ جبکہ مؤخر الذکر اس طرح کے اقدام کے حق میں نہیں تھے۔ عتبہ بن ربیعہ بہت زیرک انسان تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد قریش سے کہا تھا کہ دیکھو محمدؐ اور اس کے ساتھی یہاں سے چلے گئے، اب مدینہ جا کر بھی محمد (ﷺ) آرام سے تو نہیں بیٹھے گا بلکہ اپنے دین کی تبلیغ کرے گا۔ اس سے عرب اس کے خلاف ہوں گے اور بقیہ عربوں سے اس کی کشمکش ہوگی۔ تو اگر باقی عرب کو محمد (ﷺ) نے فتح کر لیا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ وہ ہمارا قرشی بھائی ہے۔ اس کی جیت ہماری جیت ہے۔ اس کی فتح سے عرب پر ہماری حکومت قائم ہو جائے گی' اور اگر عربوں نے محمد (ﷺ) کو ہلاک کر دیا تو جو تم چاہتے ہو وہ ہو جائے گا بغیر اس کے کہ تم اپنے بھائیوں کے خون سے اپنی تلواریں آلودہ کرو۔ آخر ابوبکر کون ہے؟ ہمارا بھائی نہیں ہے کیا؟ عمر کون ہے؟ اور یہ عثمان کون ہے؟ بنوامیہ میں سے ہے۔ حمزہ کون ہے؟ عبدالمطلب کا بیٹا ہے۔ اور محمد (ﷺ) کون ہے؟ عبدالمطلب کا پوتا ہے۔ تم اپنی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑاؤ گے؟ تم محمد (ﷺ) کو اور عربوں کو آپس میں نمٹنے دو۔ اگر محمد (ﷺ) جیت گیا تو ہمارا راج پورے عرب پر ہو جائے۔ یہ وہ بات تھی جو فی الحقیقت ہو کر رہی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد دورِ ملوکیت میں پھر وہی عرب تھے جن کی حکومتیں قائم ہوئیں' چاہے بنواُمیہ تھے' چاہے بنوعباس تھے۔ اس قدر گہری بات اُس شخص نے کہی جس نے اہلِ مکہ کو متاثر بھی کیا۔

ان فاختائی مزاج لوگوں (Doves) کا مکہ میں خاصا اثر و رسوخ تھا' لیکن دو واقعات ایسے وقوع پذیر ہو گئے کہ جنگجو اور مشتعل مزاج لوگوں (Hawks) کا پلڑا بھاری ہو گیا اور یہ Doves بالکل خاموش ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جس کا حضور ﷺ نے پیچھا کیا تھا اور وہ بچ کر نکل گیا تھا' اب مالِ تجارت سے لدا پھندا شام سے واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے قریش کو SOS کال بھیج دی کہ مجھے خطرہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے آدمی قافلے پر حملہ کریں گے اور ہمیں لوٹ لیں گے' لہٰذا فوری طور پر مدد بھیجی جائے۔ ابوسفیان کا پیغام لے کر ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا مکہ پہنچا کہ تمہارا قبیلہ' تمہارا خاندان اور تمہارا مال خطرے میں ہے' لہٰذا فوراً مدد کو پہنچو۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے بارہ افراد کا ایک چھوٹا سا دستہ نخلہ بھیجا تھا جو طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے اور انہیں ہدایت کی تھی کہ وہاں قیام کرو اور ہمیں وہاں سے مکہ کے لوگوں کی نقل و حرکت سے مطلع کرتے رہو۔ وہاں ایسی صورت حال پیش آئی کہ مکہ والوں کے ایک قافلے کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہو گئی' جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک مارا گیا' دو کو وہ گرفتار کر کے لے آئے اور ایک بھاگ گیا۔ مسلمان کئی اونٹوں پر لدا ہوا مال بطورِ غنیمت لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر حضور ﷺ ناراض ہوئے کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن اب جو ہونا تھا' ہو چکا تھا۔ جو مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں بچ کر بھاگا تھا وہ کپڑے پھاڑ کر چیختا چلاتا ہوا مکہ پہنچا کہ لوگو دیکھو محمد (ﷺ) کے آدمیوں نے ہمارا آدمی مار دیا۔ یہ دو خبریں بیک وقت مکہ پہنچیں' ایک شمال سے اور دوسری جنوب سے۔

یہ دو اسباب تھے جن کی وجہ سے مکہ میں مسلمانوں کے خلاف طبل جنگ بجا دیا گیا۔ ایک عام چیخ و پکار شروع ہو گئی کہ قتل کا بدلہ قتل، خون کا بدلہ خون۔ مکہ میں جو آگ لگی ہوئی تھی، اُس کا اندازہ اُس وقت ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ کسی قبائلی معاشرے میں یہ معاملہ کس قدر جذباتی اور اہم ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں کی بنا پر مکہ میں وہ لوگ جو جنگجو، مشتعل مزاج اور جوشیلے تھے، وہ قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ اُن کے ہاتھ ایک دلیل آ گئی تھی۔ مکہ کے ٹھنڈے مزاج، بردباد طبیعت کے حامل اور شریف النفس لوگ نہیں چاہتے تھے کہ خانہ جنگی ہو۔ ان میں نمایاں شخصیتیں عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن حزام کی تھیں۔ آخر الذکر بعد میں ایمان لے آئے۔ ابوجہل جو Hawks کا سرخیل تھا، چاہتا تھا کہ فوری اقدام کیا جائے۔ عمر بن عبداللہ الحضرمی کے قتل سے جوشیلے اور جنگ پسند لوگوں کو تقویت حاصل ہو گئی کہ ہمارا آدمی مارا گیا ہے اور دوسری طرف ہمارے تجارتی قافلے کو شدید خطرہ درپیش ہے۔ لہٰذا ان بہانوں سے ایک ہزار جنگجوؤں کا کیل کانٹے سے لیس لشکر ایک ہزار اونٹوں اور سو گھوڑوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ روانہ ہوا، جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر ہوا۔

ابوسفیان کی عدم موجودگی میں قریش کی سرداری عتبہ بن ربیعہ کے پاس تھی۔ لہٰذا اس لشکر کا سپہ سالار بھی وہی تھا۔ ابوجہل امیہ بن خلف، نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط، شیبہ بن عتبہ اور بہت سے وہ لوگ جو اہل حق کے خون کے پیاسے تھے، سب کے سب نکلے۔ سردارانِ قریش میں سوائے ابولہب کے کوئی پیچھے نہ رہا۔ وہ بزدل انسان تھا۔ اُس نے اپنی جگہ ایک کرائے کا فوجی بھیج دیا۔ ابوجہل نے کہہ دیا تھا کہ یہ یوم الفرقان ہوگا اور ثابت ہو جائے گا کہ حق کس کے ساتھ ہے۔

صحیح اور معتبر روایات کے مطابق مدینہ میں حضور ﷺ نے کسی جنگ کا اعلان کیا، نہ تیاری فرمائی بلکہ پیشِ نظر صرف یہ تھا کہ جو قافلہ آ رہا ہے اسے روکنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ بغیر کسی خاص اہتمام اور تیاری کے نکل کھڑے ہوئے۔ یاد رہے کہ غزوۂ ذوالعشیرہ میں شامل ڈیڑھ سو افراد تمام مہاجرین ہی تھے، جبکہ غزوۂ بدر میں صرف ساٹھ یا تراسی مہاجرین ساتھ تھے۔ تعداد کے متعلق دونوں روایات موجود ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے پیشِ نظر جنگ کا پروگرام ہوتا تو آپؐ خصوصی انتظام فرماتے اور تعداد زیادہ ہوتی۔ پھر یہ پہلی بار ہوا کہ انصاری صحابہ ؓ بھی ساتھ نکلے، بلکہ تعداد میں وہ زیادہ تھے۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں بھی مشورہ کیا تھا اور پھر مدینہ کے باہر بھی ایک مجلسِ مشاورت منعقد فرمائی، لیکن مدینہ کی مشاورت میں جنگ کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا، لہٰذا آپؐ نے کسی سے تاکیداً نہیں فرمایا کہ ساتھ چلو۔ انصارؓ بھی خود اپنی مرضی سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ کی طرف سے کوئی خصوصی ترغیب نہیں تھی۔

آپؐ جب مدینہ سے کچھ دور پہنچے تو آپؐ کو معلوم ہوا کہ مکہ سے ایک ہزار افراد پر مشتمل کیل کانٹے سے لیس لشکر مدینہ کی طرف نکل پڑا ہے اور منزل پر منزل طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اب صورت یہ ہو گئی کہ شام کی طرف سے قافلہ آ رہا ہے اور جنوب سے لشکر چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ اب یہاں مدینہ سے باہر مشاورت ہوئی جو اہم ترین مشاورت ہے۔ قرآن مجید ایسے معاملات کو عموماً اختصار سے بیان کرتا ہے، لہٰذا سورۃ الانفال کی آیات کے بین السطور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حضور ﷺ نے ازراہِ مشورہ ہی یہ بات پیش کی ہو گی کہ مسلمانو! ایک قافلہ شمال سے آ رہا ہے جس کے ساتھ صرف تیس یا پچاس محافظ ہیں، مالِ تجارت بہت ہے، اور ایک لشکر جنوب سے آ رہا ہے جو کیل کانٹے سے لیس ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک پر فتح کا وعدہ کر لیا ہے، بتاؤ کدھر چلیں؟ ان حالات میں کچھ لوگوں نے اپنی مخلصانہ سوچ کے مطابق تجویز کیا کہ حضور ﷺ قافلہ کی طرف چلیے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ تجویز پیش کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ قافلہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پچاس کی نفری ہے، وہ آسانی سے قابو میں آ جائیں گے، ساز و سامانِ تجارت بھی بہت ہاتھ لگے گا اور اسلحہ بھی، جو آئندہ جنگ میں کام آئے گا۔ لیکن حضور ﷺ جیسے کچھ منتظر سے تھے۔ تب لوگوں نے اندازہ کیا کہ منشائے مبارک کچھ اور ہے، حضور ﷺ کا اپنا رجحانِ طبع کچھ اور ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر مہاجرین نے تقریریں شروع کیں کہ حضور ﷺ! آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں، جو آپ کا ارادہ ہو، بسم اللہ کیجئے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے تقریر کی، لیکن حضور ﷺ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حضرت عمر ؓ نے بھی تقریر کی، لیکن حضور ﷺ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ محسوس ہو رہا تھا جیسے حضور ﷺ کسی خاص بات کے منتظر ہیں۔ حضرت مقداد بن اسود ؓ بھی مہاجرین میں سے تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ ''حضور ﷺ جو آپؐ کا ارادہ ہو بسم اللہ کیجئے، ہمیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر قیاس نہ کیجیے جنہوں نے اپنے نبی (موسیٰ علیہ السلام) سے یہ کہہ دیا تھا کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (پس آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں اور جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) آپؐ بسم اللہ کیجئے، ہم آپ کے ساتھ لڑیں گے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما دے۔'' لیکن حضور ﷺ پھر بھی کچھ انتظار کی کیفیت میں تھے۔ اب حضرت سعد بن معاذ ؓ کو خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن دراصل انصار کی جانب ہے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ ''حضور ﷺ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے......'' اس خیال کی وجہ کیا تھی؟ یہ کہ حضور ﷺ نے بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینہ (یثرب) تشریف لانے کی جو دعوت قبول کی تھی تو اس میں یہ طے ہوا تھا کہ ''اگر قریش مدینہ پر حملہ کریں گے تو ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں''۔ گویا انصار اس معاہدہ کی رُو سے اس کے پابند نہیں تھے کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ قافلہ کا راستہ روکنا اور بات ہے اور باقاعدہ ایک لشکرِ جرار سے جا ٹکرانا یہ بالکل دوسری بات ہے۔ حضرت سعد بن معاذ ؓ کو فوراً خیال آ گیا کہ ہو نہ ہو حضور ﷺ ہماری تائید کے منتظر ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر انہوں نے اپنی تقریر میں کہا: ''اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ'' یعنی ''حضور ﷺ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے۔'' ہم نے آپؐ کو اللہ کا رسول مانا ہے۔ (اُس وقت معاہدے میں کیا طے ہوا تھا، کیا نہیں ہوا تھا اِس وقت وہ بات غیر متعلق ہے) آپؐ جو بھی حکم دیں گے سر آنکھوں پر سِرْ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ......
''اے اللہ کے رسول (ﷺ) لے چلیے ہم کو جہاں بھی لے جانا ہو۔ خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں اپنی سواریاں سمندر میں ڈالنے کا حکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں ڈال دیں گے۔ اگر آپؐ ہمیں حکم دیں گے تو ہم برک الغماد (یمن) تک جا پہنچیں گے اور اس کے لیے ہم اپنی سواریوں کو دبلا کر دیں گے۔'' حضرت سعد ؓ کی یہ تقریر سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک کھِل اُٹھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس جماعت میں حضور ﷺ کی بیعت ثانوی چیز تھی۔ اس کی اصل بنیاد تو یہ تھی کہ جو آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کرے وہ اس جماعت شامل ہے۔ جس نے بھی آپؐ کو اللہ کا رسول مانا ہے، اُس پر آپؐ کی اطاعت لازم ہے۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:65) ''سو تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں، پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں''۔ ایمان کہاں رہ جائے گا اگر حضور ﷺ کا حکم نہ مانیں؟

اِس مشاورت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے پیش قدمی فرمائی اور پھر بدر پہنچ کر جب معلوم ہو گیا کہ قریش کا لشکر وادی کے دوسرے سرے تک پہنچ چکا ہے تو وہاں آپؐ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کے لیے فرمایا۔ وہاں کا ایک واقعہ بھی بڑا اہم ہے کہ صحابہ ؓ میں سے بعض تجربہ کار حضرات نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر یہاں پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ وحی کی بنا پر ہے تو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، لیکن اگر یہ آپؐ کی ذاتی رائے ہے تو ہمیں یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ جنگی مہارت اور حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس مقام کی بجائے دوسرے مقام پر کیمپ ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ نے ان حضرات کی رائے کو قبول فرمایا۔ (جاری ہے)

☆☆☆

ابہام و انتشار پھیلانے والے

ڈاکٹر صفدر محمود

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جب قومیں مایوسی کا شکار ہوں تو وہ اپنی شناخت کے بارے میں بھی ابہام کا شکار ہو جاتی ہیں اور پھر باطنی حوالے سے تقسیم ہو کر باہمی کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ نظریاتی شناخت قوموں کو متحد رکھتی اور مضبوط بناتی ہے اور جب نظریاتی شناخت ابہام یا کنفیوژن کا شکار ہو جائے تو پھر قوم کو اندرونی طور پر تقسیم ہونے، دھڑوں اور گروہوں کی شکل اختیار کر کے باہم دست و گریبان ہونے سے روکا نہیں جا سکتا۔

مولانا شبیر عثمانی نہایت زاہد و عابد انسان تھے۔ ایسے لوگوں کی ڈکشنری میں غلط بیانی یا بے جا تعریف کے الفاظ نہیں ہوتے کیونکہ جھوٹ نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح دیمک لکڑی کو چاٹ جاتی ہے۔ قائداعظم کی وفات پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے سمندر کو کوزے میں بند کرتے ہوئے کہا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح اورنگ زیب کے بعد مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر تھے۔ ظاہر ہے کہ کچھ اسلام بیزار لوگوں کو اورنگ زیب ناپسند ہے، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اس درویش کے دور میں مسلمانوں کی ہندوستان میں حکومت نہایت وسیع و عریض اور مستحکم تھی۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس سلطنت کا وہی حشر ہوا جو عام طور پر نالائق اولاد کے ہاتھوں بادشاہتوں کا ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کا انتقال 1707 میں ہوا اور قائداعظم 11 ستمبر 1948 کے دن اللہ کو پیارے ہوئے۔ درمیان میں دو صدیوں تک مسلمان قوم بے قائد رہی یعنی اسے کوئی اہل اور بصیرت والا قائد میسر نہ آسکا۔ اورنگ زیب نے ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار وسیع اور مستحکم کیا اور قائداعظم نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھال کر ہندوستان کے مسلمانوں کو نظریاتی شناخت کی لڑی میں پرو کر ایک مضبوط قوم بنایا۔ اس نظریاتی اتحاد کا شعور پیدا کرنے میں علامہ اقبال نے تاریخی کردار سرانجام دیا۔ آغاز میں قائداعظم بھی مسلمانوں کو اقلیت کہتے تھے لیکن جب وہ 1933 میں کچھ عرصہ انگلستان میں گزارنے کے بعد ہندوستان لوٹے تو انہوں نے مسلمانوں کو سمجھانا شروع کیا اور ان کے قلب و ذہن میں دلائل کے ساتھ یہ تصور اجاگر کرنا شروع کیا کہ وہ ایک قوم ہیں اور دنیا کی ہر تشریح یا تعریف کے مطابق ایک قوم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اندرونی طور پر منقسم مسلمانوں کو ایک متحد قوم بنا دیا اور اسی بنیاد پر اس قوم کے لئے ایک آزاد وطن حاصل کر لیا۔

اگر آپ اس پس منظر میں تین چار صدیوں کی تاریخ پڑھیں اور قائداعظم کے اس کارنامے پر غور کریں کہ انہوں نے کس طرح ایک مایوس، باطنی طور پر تقسیم اور انتشار کی شکار قوم کو اس قدر طاقتور قوم بنا دیا کہ وہ انگریزوں اور ہندوؤں کو شکست دینے کے بعد ہندوستان کو تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئی تو پھر آپ کو مولانا شبیر عثمانی کے الفاظ اور ان کا قلبی درد سمجھ میں آئے گا۔

قائداعظم کے انتقال کے چند برس بعد قوم اس جذبے سے محروم ہوگئی جو قیادت اور نظریے کی دین ہوتا ہے اور پھر قوم بے قائد ہو کر دوبارہ دھڑوں گروہوں اور صوبوں میں تقسیم ہوگئی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اب اس ذہنی انتشار نے قوم کو اپنی نظریاتی شناخت کے حوالے سے بھی ابہام کا شکار کر دیا ہے جو ایک خطرناک مرض ہے۔ اس ابہام کے پیدا کرنے میں ہمارے مذہب بیزار، لادین اور ضرورت سے زیادہ روشن خیال دانشوروں کا بھی حصہ ہے، قومیت پرست عناصر کا بھی حصہ ہے، صوبائیت کے ترجمانوں اور لسانی گروہوں کے علمبرداروں کا بھی حصہ ہے اور اب ماشاء اللہ کچھ سیاستدان بھی اپنی کم فہمی کے سبب اس میدان میں کود پڑے ہیں۔ مجھے سیاستدانوں کی نیت پر شبہ نہیں بلکہ مجھے ان کی تحریک پاکستان کے حوالے سے کم علمی سے گلہ ہے۔ دولت اور خوشامدیوں اور مفاد پرست عناصر کی ریل پیل میں ہمارے سیاستدانوں کو کبھی تحریک پاکستان کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی اور پھر وہ ایسے دانشوروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں جن کے اپنے ایجنڈے اور مقاصد ہیں۔ قائداعظم، نظریہ پاکستان، تصور پاکستان اور تحریک پاکستان کے محرکات کے بارے میں ابہام اور انتشار وہ عناصر پھیلا رہے ہیں جو قوم کو اپنی نظریاتی شناخت، تاریخی بنیاد اور پہچان سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور یہی محرومی قوم کو باطنی اتحاد اور ایک قوم کے تصور سے محروم کرتی ہے اور قوم کو لسانی، علاقائی اور صوبائی گروہوں میں تقسیم کرتی ہے۔

البیرونی صدیوں پہلے ہندوستان آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی ثقافت لباس وغیرہ میں اس قدر فرق ہے کہ میلوں کے فاصلے سے مسلمان اور ہندو پہچانے جاتے ہیں۔ گاندھی واویلا کیا کرتا تھا کہ ہندو گائے کی پرستش کرتے ہیں جبکہ مسلمان گائے کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہندو پانچ سو سے زیادہ خداؤں کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے انہی دیوتاؤں کے بتوں کو محمود غزنوی نے پاش پاش کیا تھا جس کی سزا آج تک ہندو مورخین اور کچھ پاکستانی مورخین محمود غزنوی کو دے رہے ہیں۔ قائداعظم نے ہزار بار کہا کہ مسلمان اور ہندو الگ الگ قومیں ہیں، ان کا مذہب، تاریخ، ثقافت، رہن سہن، رسم و رواج، ہیرو حتیٰ کہ ہر پیشہ الگ الگ ہے۔ موقع ملے تو قرارداد پاکستان 23 مارچ 1940 کے دن قائداعظم کی تقریر پڑھ لیجئے۔ عجیب بات ہے جس حقیقت کا قائداعظم نے ادراک کر لیا تھا وہ میرے محترم میاں نواز شریف کو سمجھ میں کیوں نہیں آئی اور انہوں نے سیفما کے 14 اگست کے فنکشن میں یہ کیسے کہہ دیا کہ ''پاکستان اور بھارت کی ثقافت ایک جیسی ہے، اس میں صرف سرحد آگئی ہے''۔ ویسے اگر یہ سرحد نہ آئی ہوتی تو کیا میاں صاحب دوبارہ وزیراعظم بن کر تیسری بار وزارت عظمیٰ کا خواب دیکھ رہے ہوتے۔ ہم یقیناً ہندوستان سے اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں اور اسی میں اس خطے کی خوشحالی کا راز مضمر ہے لیکن تاریخ کھنگال کر دیکھئے کہ ہندوستان کا پاکستان کے ساتھ کیا رویہ رہا ہے اور کیا رویہ آج ہے۔ میں میاں صاحب کی عزت کرتا ہوں اور وہ مجھے عزیز ہیں لیکن کیا کروں کہ قائداعظم تحریک آزادی اور پاکستان مجھے

’’عزیز ترین‘‘ ہے۔ خدارا! ہندوستان دوستی کی لہر میں بہہ کر پاکستان کی شناخت کو ابہام کا نشانہ نہ بنائیں اور نہ ایسی باتیں کریں کہ جس رب کو بھارتی پوجتے ہیں ہم بھی اسی رب کو پوجتے ہیں۔ اس حوالے سے پرویز رشید کی وضاحت عذر بدتر ہے اور میاں صاحب پر لازم ہے کہ وہ قائداعظم کی تقاریر اور تحریک پاکستان پر مستند کتابیں پڑھیں اور دین بیزار، سیکولر اور الٹرا لبرل عناصر کے ہاتھوں میں کھیل کر اپنی نظریاتی و سیاسی بنیاد پر ہتھوڑے نہ ماریں۔

میرے مہربان دوستوں اور خیبر پختونخواہ کے حکمرانوں نے ایک بار پھر ایسی حرکت کی ہے کہ پندرہ اگست 1947ء کی یادوں کو تازہ کر دیا ہے۔ اے این پی حکومت نے اپنے صوبے میں یوم آزادی پندرہ اگست کو منانے کا اعلان کر کے ایک بار پھر قوم کو تقسیم کر دیا۔ اس حوالے سے مجھے بے شمار فون آئے۔ پاکستان 14 اور پندرہ اگست کی نصف شب معرض وجود میں آیا تھا۔ اس لئے اس کا پہلا یوم آزادی پندرہ اگست ستائیسویں رمضان کو منایا گیا۔ اس کے بعد 1948ء میں حکومت پاکستان نے گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی منظوری سے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان ہر سال چودہ اگست کو یوم آزادی منائے گا۔ اتنے طویل عرصے کے بعد اس سال اے این پی کی حکومت نے اپنے صوبہ میں پندرہ اگست کو یوم آزادی منا کر پندرہ اگست 1947ء کی یادیں تازہ کر دیں، جس دن صوبہ سرحد کی ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ نے پہلے یوم آزادی پر پاکستانی جھنڈے کو سلامی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ گورنر سرحد کنگھم کی فائل کی کاپی میرے پاس موجود ہے۔ پندرہ اگست 1947ء کے دن بھی بہانہ خطرہ تھا اور اس سال بھی خطرے کو ہی بہانہ بنایا گیا۔ خدارا قوم کو تقسیم کر کے کمزور نہ کرو، ابہام نہ پھیلاؤ، یہ تمہارا ملک ہے اور اس ملک نے تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو متحدہ ہندوستان میں تمہیں ہرگز نہ ملتا۔ تحریک پاکستان کے بارے میں ابہام پیدا کر کے قوم کو اپنی نظریاتی شناخت کے حوالے سے انتشار میں مبتلا کرنا قوم کو اندرونی طور پر تقسیم کرنے اور منتشر کرنے کے مترادف ہے کیا تم ایسا جان بوجھ کر رہے ہو؟؟ اگر یہ نیت کا فتور ہے تو پھر تحریک پاکستان، نظریہ پاکستان قائداعظم اور اسلام کے حوالے سے ابہام پیدا کرنے والے اور قوم کی صفوں میں انتشار کو ہوا دینے والے قومی مجرم ہیں، قومی مجرم...؟؟

بقیہ: رمضان، قرآن اور پاکستان

دس سال کے بعد کورٹ کی دسترس میں آیا تو اس نے موجودہ بینکاری نظام کو غیر شرعی قرار دے کر اس کے متبادل غیر سودی نظام جاری کرنے کا فیصلہ دیا، جس کے خلاف میاں محمد نواز شریف کی حکومت نے یونائیٹڈ بینک کے ذریعے اپیل دائر کروادی اور جب اپیلیٹ بنچ کا فیصلہ آنے کا وقت آیا تو پرویز مشرف کی حکومت نے اپنی عیارانہ حکمت عملی کے ذریعہ اسے سرد خانے میں ڈلوادیا۔

اس تمام صورتحال کے نتیجے میں ان لوگوں میں جو وطن عزیز میں اسلامی نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں سخت مایوسی پیدا ہوئی اور ان میں سے چند لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ سیدھی انگلیوں سے یہ معاملہ حل نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے تشدد کی راہ اختیار کی حالانکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو ان حالات میں ظلم و تشدد برداشت کرنے کی تعلیم دی ہے نہ کہ تشدد پر اتر آنے کی۔ دشمنوں نے موقع کو غنیمت جانا اور ہر قسم کی دہشت گردی کی کارروائی اُن سے منسوب کرنا شروع کر دی۔ بہرحال یہ نفاذ اسلام سے روگردانی کے نتائج ہیں جو ہم من حیث القوم ہی نہیں بلکہ من حیث الامت بھگت رہے ہیں۔ یہ ہمارے اللہ سے کیئے گئے وعدے سے انحراف کی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے۔

اگر اب بھی ہم نے اپنی روش تبدیل نہ کی تو شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی صورت میں ہمیں جو نعمت عظمٰی عطا کی تھی، جس کے نصف سے زائد حصے کو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے کھو چکے ہیں، خاکم بدہن یہ ہم سے مکمل طور پر چھن جائے اور ہمارے دشمن یہی چاہتے ہیں کہ پاکستان کو خلیجی ریاستوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ آج یوم آزادی کے موقع پر قوم کے ہر طبقے کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ آخر وہ کیا وجوہ ہیں جو ہمارے وعدے کی ایفاء کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں اور ان رکاوٹوں کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کو جو یہاں اسلامی نظام خلافت کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں، چاہئے کہ اپنی حکمت عملیوں پر نظر ثانی کریں بلکہ سب مل کر اس مقصد کے حصول کے لئے ایک مشترکہ حکمت عملی دیں، تاکہ پاکستان اسلامی فلاحی ریاست بن سکے اور ہم حقیقی معنوں میں ایک آزاد قوم کی حیثیت حاصل کرسکیں۔ یاد رکھئے، جس طرح پاکستان کے قیام کے لئے اسلام ناگزیر تھا، اس کے استحکام و بقا کے لئے بھی یہ ناگزیر ہے۔

نیوز آف دی ویک

’’بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا‘‘

خبر: ’’یوم پاکستان کے موقع پر صدر پاکستان آصف علی زرداری نے وزیر داخلہ رحمان ملک کو نشان امتیاز سے نوازا ہے۔‘‘

تبصرہ: جب سے رحمان ملک پاکستان کے وزیر داخلہ بنے ہیں تب سے ملک میں جو قتل و غارت اور دہشت گردی ہو رہی ہے اور جتنی بدامنی پھیلی ہے اِس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ کراچی میں وحشیانہ انداز سے ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے، پھر یہ کہ بلوچستان میں پنجابیوں اور دوسرے صوبوں کے لوگوں کو بسوں اور ویگنوں سے اتار اتار کر قطار میں کھڑے کر کے گولیوں سے بھون دیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں بلوچستان میں پاکستان کے پرچم کو چُھپ جانے کی جگہ نہیں مل رہی۔ اِس پس منظر میں دیکھا جائے تو کوئی سِول ایوارڈ رحمان ملک کے شایانِ شان نہیں بلکہ صدر زرداری کو چاہیے کہ خواہ اُنہیں جرنیلوں سے جنگ لڑنا پڑے، پیپلز پارٹی کے نابغۂ عصر کو ’’نشانِ حیدر‘‘ کا فوجی ایوارڈ دلائیں۔ اِس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ رحمان ملک کے دور میں جو کچھ ہوا ہے وہ اسلحہ کی بنیاد پر ہوا ہے، لہٰذا وہ ’’نشان حیدر‘‘ کے حقدار ہیں—— علاوہ ازیں صدر زرداری کو ایک جنگ عالمی سطح پر بھی لڑنا ہوگی کہ تاریخ کے اِس ’’کامیاب ترین‘‘ وزیر داخلہ کا نام گینز بک آف دی ورلڈ ریکارڈ میں لکھوائیں اور اُنہیں ’’نوبل پرائز‘‘ دلوانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں، تاکہ دنیا کہہ سکے کہ حق بحق دار رسید۔ رحمان ملک صاحب کی خدمت عالیہ میں بصد ادب ہم اقبال کا یہ شعر پیش کریں گے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

میرپور آزاد کشمیر میں تکمیل دورۂ ترجمۃ القرآن پروگرام

تنظیم اسلامی جاتلاں کے زیر اہتمام جاتلاں (میرپور، آزاد کشمیر) میں ملتزم رفیق تنظیم سجاد صدیق کے گھر میں نومبر 2010ء دورۂ ترجمۃ القرآن کا آغاز ہوا تھا، جس میں راقمہ اپنی قریبی رشتہ دار خواتین کو جمع کر کے قرآن پاک کا ترجمہ مختصر تفسیر بیان کرتی رہی۔ اس درس میں روزانہ 12 سے 15 خواتین شامل ہوتی رہیں۔ بحمد اللہ، قرآن حکیم کا یہ بیان آٹھ ماہ بعد 30 جون 2011ء کو تکمیل کو پہنچ گیا۔ تکمیل قرآن کے اس پُرمسرت موقع پر یکم جولائی بروز جمعرات دن دس بجے بڑے عوامی درسِ قرآن کے پروگرام کا انعقاد کیا گیا، جس میں 70 سے زائد خواتین و حضرات کے علاوہ امیر مقامی تنظیم محمد ظفر اور رفقائے تنظیم نے شرکت کی۔ درس قرآن کے لیے تنظیم کے بزرگ رفیق جناب سید محمد آزاد کو دعوت دی گئی تھی۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا، جس کی سعادت سجاد صدیقی نے حاصل کی۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد سید محمد آزاد نے سورۂ یونس کی آیات 57 اور 58 اور سورۂ طٰہٰ کی آیات 124 تا 126 کا درس دیا۔ انہوں نے سورۂ یونس کی آیات کے حوالے سے کہا کہ قرآن حکیم پروردگار کی طرف سے لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ دل کی بیماریوں کی شفاء اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ انسان کو جتنی بھی نعمتیں ملی ہیں، اُن میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت یہ قرآن ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ اس دولت کے ملنے پر خوشیاں منائیں۔ یہ عظیم عطیہ خداوندی ہے اور اُن تمام چیزوں سے بہتر ہے، جن کے جمع کرنے میں لوگ لگے ہوئے ہیں۔ چند روز پہلے محترم سید محمد آزاد نے سجاد صدیقی کے گھر میں درسِ قرآن دیا تھا، جس میں سو سے زائد رفقاء و احباب نے شرکت کی تھی۔ پروگرام کے اختتام پر حاضرین کو کھانا بھی پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس ادنیٰ سی کوشش کو قبول فرمائے۔ (آمین)

(رپورٹ: اسیرہ خانم)

حلقہ پنجاب شرقی کے زیر اہتمام حویلی لکھا میں مبتدی تربیتی کورس کا انعقاد

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شرقی کے زیر اہتمام مبتدی تربیتی کورس 3 تا 9 جولائی حویلی لکھا میں منعقد ہوا۔ کورس میں 20 مبتدی رفقاء نے کل وقتی جبکہ چند رفقاء نے جزوی طور پر شرکت کی۔ تربیتی کورس کی مجموعی ذمہ داری مرکزی ناظم دعوت و تربیت جناب رحمت اللہ بٹر کی تھی۔ اُن کے معاون اشفاق ندیم بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ شرکاء کو روزانہ صبح پونے تین بجے تہجد کے لیے بیدار کیا جاتا۔ نماز تہجد کے بعد مسنون دعائیں یاد کروائی جاتیں۔ نماز فجر کے بعد ہر روز درس قرآن ہوتا، جو سورۂ نور، سورۃ الحدید، سورۃ مزمل، سورۃ التغابن اور سورۃ الکہف کی منتخب آیات پر مشتمل تھا۔ مغرب تا عشاء روزانہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کا وڈیو خطاب بعنوان ”اسلام کا انقلابی منشور“ دکھایا جاتا رہا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب مرحوم کا ایک اور خطاب بھی کورس کا حصہ تھا، جس سے شرکاء پر جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم واضح ہوا اور کئی مغالطے دور ہوئے۔

سات روزہ تربیتی کورس میں جن موضوعات پر خطابات ہوئے، ان میں ایمانیات ثلاثہ، عبادات، رسومات، عبادت رب، شہادت علی الناس، اخلاقیات، انفاق فی سبیل اللہ، رفقاء کے مطلوبہ اوصاف، نظام العمل و دستور اور قرار داد تاسیس شامل تھے۔ کورس کا نصاب جناب رحمت اللہ بٹر، فرخ ضیاء، غلام رسول، سجاد سرور، ناصر بھٹی اور پروفیسر خلیل الرحمٰن نے بڑی عمدگی سے پڑھایا۔ شرکاء کے قیام و طعام کا بندوبست حویلی لکھا شہر میں تنظیم اسلامی کے مرکز میں کیا گیا۔ مسجد کے امام اور خطیب جناب قاری یٰسین نے یہ ذمہ داری عمدگی سے نبھائی۔ اس کورس میں ہم نے جو کچھ سیکھا، پڑھا اور دیکھا، جو وقت گزرا اللہ تعالیٰ اُسے غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے ہمارا معاون اور ہماری نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

(رپورٹ: رفیق تنظیم)

تنظیم اسلامی حلقہ سکھر کے تحت شاہ پنجو میں مسجد کا افتتاح

29 جولائی 2011ء بروز جمعہ حلقہ سکھر کے تحت تنظیم اسلامی شاہ پنجو میں نئی تعمیر شدہ مسجد کا افتتاح ہوا۔ اس موقع پر امیر حلقہ احمد صادق سومرو نے خطاب جمعہ ارشاد فرمایا۔ مسجد کے لیے پلاٹ بھائی عبدالمالک مگسی شہید ”ملتزم رفیق“ نے دیا تھا اور اُن کی زندگی ہی میں بنیادوں کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ لیکن پھر ان کی شہادت کی وجہ سے یہ کام کچھ عرصہ کے لیے بند ہو گیا تھا۔ امیر حلقہ احمد صادق سومرو نے اپنے خطاب میں رمضان کی فضیلت، روزہ کی فرضیت اور تنظیم اسلامی کا تعارف اور اُس کی دعوت کو سامعین کے سامنے رکھا۔ شرکاء کی تعداد 85 تھی۔ قارئین ندائے خلافت سے عبدالمالک اور ان تمام مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کی اپیل ہے، جنہوں نے اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ ڈالا ہے۔

(رپورٹ: نصر اللہ انصاری)

تنظیم اسلامی مالاکنڈ کے تحت دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی کا حلقہ مالاکنڈ دیر، سوات، چترال کے اضلاع اور باجوڑ اور مالاکنڈ ایجنسی پر مشتمل ہے۔ یہاں مشورہ سے ماہ جولائی میں دعوتی پروگرام کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔ یہ دعوتی پروگرام یکم تا 25 جولائی کو ہوا۔ مقررین نے جو زیادہ تر اساتذہ ہیں، جولائی کی چھٹیوں میں اپنے اوقات پیش کیے۔ چنانچہ علاقے میں تین مقامی تناظیم کے تحت بھرپور دعوتی مہم چلائی گئی۔ مہم کی تفصیل درج ذیل ہے:

یکم تا 9 جولائی تیمرگرہ ضلع دیر بالا کی مختلف مساجد میں تین فہم دین پروگرام ہوئے، جن سے لگ بھگ 1500 افراد مستفید ہوئے۔ شرکاء نے ان پروگراموں کو بہت مفید قرار دیا۔

11 تا 20 جولائی کو ضلع دیر بالا میں مختلف مساجد میں چار فہم دین پروگرام ہوئے، جن میں شرکاء کی تعداد تقریباً 2000 رہی۔ شرکاء نے ایسے پروگرام تسلسل سے اور بار بار منعقد کرنے کا تقاضا کیا۔

21 تا 25 جولائی چترال کی مختلف مساجد میں فہم دین پروگرام ہوئے۔ یہاں شرکاء کی تعداد 3000 رہی۔ شرکاء کے تاثرات بہت حوصلہ افزا تھے۔ مقامی نظم کے رفقاء کے تعاون سے بھرپور دعوتی مہم چلائی گئی۔ اس دوران تنظیم کا لٹریچر اور جرائد بھی تقسیم کیے گئے۔ مقامی لوگوں نے دعوتی مہم میں بے حد دلچسپی لی اور ہماری بات پوری توجہ سے سنی۔ سوال و جواب کی نشستوں میں لوگوں پر سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں غلبۂ دینِ حق کا طریق کار واضح ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس مہم میں حصہ لینے والوں کو اجرِ عظیم اور مزید ہمت عطا فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ پورے حوصلے اور استقامت کے ساتھ دین کامل کی بات لوگوں تک پہنچا سکیں۔

(مرتب: احسان الودود)

تنظیمی اطلاع

حلقہ سکھر کی مقامی تنظیم ”سکھر“ میں سید عرفان طارق ہاشمی کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ سکھر کی جانب سے مقامی تنظیم ”سکھر“ میں تقرر امیر کے لیے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 4 اگست 2011ء میں مشورہ کے بعد جناب سید عرفان طارق ہاشمی کو مذکورہ تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

inherits a large amount of knowledge from its predecessors and transmits it on to the succeeding generation with its own contribution added to it. Thus knowledge goes on accumulating as it passes from one generation to another. The present generation has received, by this process of transmission, a stupendous stock of knowledge consisting of logic and philosophy, religion and metaphysics, ethics and psychology, as well as physical and social sciences. This huge amount of current knowledge has dominated and dazzled the mind of the people who have developed, as a result, a naïve belief in many wrong views. One requires a fairly good knowledge of modern sciences and should be conversant with not only the subject-matter of these sciences but also with their original sources and the system of principles and methods underlying them. Only then will an individual be able to deal a crushing blow, in the manner of Imam Ibn Taimiyyah (R) and Imam al-Ghazali (R), at the very root of the false notions prevailing in one's time. In this respect, the present age has touched the highest watermark. Besides the remarkable progress in the field of social sciences, it has witnessed as unprecedented advancement of the physical sciences and technology that has stunned the humanity and has rendered it incapable of making critical appraisal of the misguiding views that have found currency in the modern world. Under these circumstances, the imperative duty of comprehending and interpreting the Qur'an cannot be fulfilled unless many steadfast and persevering individuals address themselves to this momentous task with single-minded devotion, equipping themselves with both classical and modern knowledge adequate for the task. These dedicated and fully trained scholars of the Qur'an would carry out a searching analysis of the modern knowledge and sift the sound from the fallacious in the light of the Qur'an. They would approach the intellect of the modern individual, making a judicious use of modern terminology and sophisticated methods of logical reasoning. Thus they would be able to illumine the minds of their contemporaries with the light of Qur'anic guidance.

In this way the duty of "explaining the Qur'an to the people" that was performed by the Holy Prophet (ç) himself in his life-time would be performed by his *ummah* in the present age. Now the question arises: How can we produce such scholars? Obviously they cannot be produced until we have, all over the Muslim world, a network of universities which concentrate on Qur'anic research, making it the hub and center of their intellectual activity. Surrounding this central department, these universities should build up other departments like the department of theoretical sciences such as logic, metaphysics, ethics, psychology, and religion; the department of social sciences such as economics, political science, and law; and the department of physical sciences such as mathematics, chemistry, physics, geology, and astronomy. Every student who joins such a university should take up Qur'anic Studies as a compulsory subject and should study one or more of the disciplines as elective subjects according to his or her own taste and aptitude. Thus the student will be able to carry out research on the Qur'an in the sphere of his or her own specialization, and present the light and guidance of the Qur'an effectively to the humanity at large. Obviously, this is not an easy task. That is why it is not the responsibility of every person. It is to be done by only those persons who are born with an unquenchable thirst for knowledge and whose minds are agitated by obstinate problems that can only be solved through prolonged thinking and disciplined reasoning. Such individuals are driven to imbibe knowledge just as a starving person is compelled to seek food and water; and they march on, constantly uttering the Qur'anic prayer: "My Lord! Advance me in knowledge." If they happen to receive proper guidance and mentoring, they will get a goodly share of knowledge and wisdom. Comprehension and interpretation of the Qur'an is, in reality, the privilege of these persons alone. However, every seeker of knowledge can participate in this noble task according to his or her ability and the time that one can devote to the task.

❁ ❁ ❁

Dr. Israr Ahmad: Requirements for an In-depth Study of the Qur'an

Translated by Dr. Ahmad Afzaal

The qualifications for a deliberative study of the Qur'an are extremely hard to acquire. It is not possible for a person to attain these qualifications unless one devotes oneself to it wholly and solely, and makes the learning and teaching of the Qur'an the be-all and end-all of one's life. For such a study, one requires a thorough knowledge of the Arabic language and its grammar, as well as a refined literary taste to appreciate the beauty, force, and eloquence of expression. One must also acquire a good grounding in the language in which the Qur'an was revealed by a critical study of the works of the pre-Islamic poets and orators. Then there are the terms and modes of expression evolved by the Qur'an itself. A clear understanding of these (which will be possible only after a careful study of the Qur'an for a pretty long time) is also a necessary part of the mental equipment of any serious student of the Qur'an. Moreover, one should be able to appreciate the coordination and coherence in the Qur'an. One must grasp the deep significance of the canonical order of the *Surahs* in the Qur'an, which is different from the chronological order in which they were revealed. One must also comprehend the sequence of thought between one *Surah* and the next, as well as among the *Ayat* of the same *Surah*. This is an extremely arduous task that has defied the patience of even the most determined scholars. But this task, however arduous, has to be accomplished and unless it is accomplished, the question of comprehending the Qur'an will not arise. In fact, it is only when one is diving into the Qur'an for grasping the subtle connections among its parts that one forms an idea of the unfathomable depths of this boundless ocean, and brings out from it the finest pearls of knowledge and wisdom.

Besides the branches of learning referred to above, a good knowledge of the *Hadith* and ancient Scriptures is also necessary for the comprehension of the Qur'an. All this is with regard to the background of classical knowledge that should be possessed by a research scholar of the Qur'an. Even this, however, is not enough. One is not yet fully equipped to do justice to a deep and thoughtful study of the Qur'an, the type of study required for *tadabbur*. One has still to reckon with modern sciences. We know that experimental and theoretical sciences are not static. Their level of advancement has been different in different ages. A scholar who wants to undertake the momentous task of comprehending the Qur'an should have an understanding of modern sciences—physical, biological, and social. Such a scholar should be particularly conversant with the basic principles of different sciences and with the method of deduction and inference employed by each. One should also keep in constant touch with the latest trends and achievements in every important field of human inquiry. This knowledge of modern arts and sciences is essential for a research scholar of the Qur'an, as it will widen one's mental outlook and increase one's intellectual capacity.

Thus equipped, an individual will embark upon this great enterprise. The Qur'an is a boundless ocean on which a sailor may travel as far as he or she may desire; the only limitations in this regard are the ones imposed by one's own capacity. What useful discoveries one will make on this voyage will depend on the guidance one receives from the range of one's knowledge and the breadth of one's vision.

Particularly for the dissemination of the teaching of the Qur'an and the propagation of its message in the present day world (which is also a duty incumbent upon every Muslim), it is necessary that one should be fully equipped with modern knowledge, otherwise he or she will not be able to discharge this duty. Each generation